بیاد: خطیب الامت بطلِ حریت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

نقیبِ ختمِ نبوۃ

ملتان

ذیقعد: ۱۴۰۹ھ

جون: ۱۹۸۹ء

الٹی زقند

سیاستدانوں نے اقتدار کی بندر بانٹ میں ملک دو ٹکڑے کیا۔
نظامِ مصطفےٰ کا نعرہ لگا کر پیپلز پارٹی کو اقتدار سے محروم کیا۔

پیپلز پارٹی نے سیاستدانوں کو اچھی طرح استعمال کر کے اقتدار دوبارہ حاصل کر لیا۔

ضیاء الحق شہید نے اسلام کے نام پر جمہوریت کو قتل کیا۔

پیپلز پارٹی جمہوریت کے نام پر اسلام کو قتل کر رہی ہے۔

سیاستدان اکٹھے ہو کر پھر کہہ رہے ہیں:
پیپلز پارٹی کو اقتدار سے محروم کر دیا جائے گا۔

مسلمان ہوشیار رہیں — اسلام پھر خطرے میں پڑنے والا ہے۔

غیر ممکن ہے کہ حالات کی گتھی سلجھے
اہلِ مغرب نے بہت سوچ کے اُلجھائی ہے

قائدِ تحریکِ ختمِ نبوت
ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری

یکے از مطبوعات

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت — شعبۂ تبلیغ — عالمی مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

صحابہ رضی اللہ عنہم کا مقام

ہاں! آج ہمارے لئے کہ اِسلام کے صدرِ اوّل کا دماغ اور رُوح دونوں کھو چکے ہیں، یہ بات کتنی ہی تعجب انگیز ہو مگر صحابہ کرام کے لئے جو اسلام کے بخشے ہوئے دل اور اُس کے بنائے ہوئے دماغ دونوں رکھتے تھے، یہ بات اِتنی صاف، اِتنی کھلی ہوئی اور اس طرح برابر بوجھی ہوئی تھی کہ اس کی طرف صرف ایک اشارہ ہی کر دینا کافی تھا۔ داعیِ اِسلام کے تزکیہ و تربیت اور درسِ کتاب و حکمت نے ان کے اندر ایک ایسا مزاج پیدا کر دیا تھا کہ کوئی بات خواہ کتنی ہی سامنے کی اور مقبول و معمول کیوں نہ ہو لیکن اگر حقیقت اور دانائی کی گہرائیوں سے ذرا بھی ہٹی ہوئی تھی تو فوراً اُن کی طبیعت میں کھٹک پیدا ہو جاتی تھی، پھر جمتی تھی تو اس وقت جب اصلی اور کامل چیز سامنے آ جاتی تھی۔ تم نے اُن کے علم اور دانائی کی گہرائیاں بھلا دی ہیں حالانکہ صرف ان کے دل ہی زیادہ نیک نہ تھے بلکہ ان کی دانائی و حکمت بھی سب سے گہری تھی جیسا کہ خود انہی میں سے ایک حقیقت شناس انسان نے کہا تھا:

أُولَئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوا أَفْضَلَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَبَرَّهَا قُلُوبًا وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا اخْتَارَهُمُ اللهُ بِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ وَلِإِقَامَةِ دِينِهِ (عن عبداللہ بن مسعود - رواہ دارمی)

"یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اُمت میں سب سے افضل تھے، ان کے دل سب سے زیادہ پاک، ان کا علم سب سے زیادہ گہرا، وہ تصنع اور بناوٹ میں سب سے کم، اللہ نے انہیں اپنے نبی پاک کی صحبت کے لئے اور اقامتِ دین کے لئے چن لیا تھا۔"

امام الہند ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ

نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

ال اشاعت : ۲ ○ سلسلۂ اشاعت : ۶

قعد ۱۴۰۹ھ ○ جون ۱۹۸۹ء

سرپرستِ اکابر :

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہٗ

مولانا محمد اسحٰق صدیقی مدظلہٗ

مولانا حکیم محمود احمد ظفر مدظلہٗ

مولانا محمد عبد اللہ مدظلہٗ

مولانا عنایت اللہ چشتی مدظلہٗ

مولانا محمد عبد الحق مدظلہٗ

رفقاءِ فکر :

حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہٗ

سید عطاء المحسن بخاری

سید عطاء المؤمن بخاری

سید عطاء المہیمن بخاری

سید محمد کفیل بخاری

سید عبد الکبیر بخاری

سید محمد ذوالکفل بخاری

سید محمد ارشد بخاری

سید خالد مسعود گیلانی

عبد اللطیف خالد ○ اختر جنجوا

عمر فاروق عمر ○ محمود شاہد

قمر الحسنین ○ بدر منیر احرار

اِس شمارہ میں

دل کی بات : سید عطاء المحسن بخاری ۲

سیدنا معاویہؓ اور اُن کے بے رحم ناقدین (قسط ۴) ۹

علیؓ و معاویہؓ (نظم) پروفیسر بشیر احمد بشر ۱۵

ناقدینِ صحابۂ کرامؓ رضی اللہ عنہم اجمعین ـ مولانا عبد الحق چوہان ۱۶

اسلامی عبادات : حضرت مولانا محمد اسحٰق صدیقی ۲۱

قادیانی اور جمہور مسلمان ـ علامہ محمد اقبالؒ (آخری قسط) ۲۹

علامہ اقبال اور جمہوریت : پروفیسر خالد شبیر احمد ۳۶

ضرورتِ نبوت : مولانا محمد عبد الحق چوہان ۴۵

ایک معتکف کے جذبات و تأثرات (نظم) ـ پروفیسر تاثیر وجدان ۵۳

زبان میری ہے بات اُن کی ـ آغا غیاث الرحمٰن انجم ۵۴

رابطہ : مدرسہ معمورہ

دار بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان

فون نمبر : ۷۲۸۱۳

قیمت : ۴/- روپے، سالانہ ۵۰/- روپے

دِل کی بات

لطافتوں کے بیری، رنگوں، خوشبوؤں اور بہاروں کے بیوپاری، دولتِ دنیا اور وجاہت وعزّت کے بھکاری رُوپ دھارنے میں اتارو ہوتے ہیں اور ہر عہد میں بکثرت پائے جاتے ھیں۔ خصُوصاً حکمرانوں کے ماحول پر حیوانوں کی یہ جنس ارزاں اپنے "فنِ تملّق" کی بدولت حاوی ہوتی ہے اور یہ جنس محل سراؤں میں بھی دخیل ہوتی ہے ان کا وجود مفادات کی بقا سے قائم و دائم رہتا ہے۔ مفادات مر جائیں تو یہ بھی دم توڑ دیتے ہیں —— تاریخ کا یہ ہولناک حادثہ ہے کہ یہ عجمی گروہ ہمیشہ مسلمان حکمرانوں کے عقب میں جلو میں یا تعاقب میں رہا ہے اور جتنے مسلم حکمران موت کی وادی میں اُتر گئے اور جتنی مسلم ریاستیں فنا کے گھاٹ اتاری گئیں وہ سب کی سب "سازشِ عجم" کے "تریاق" کے مثبت اثر کے نتائج تھے —— پاکستان کی حیاتِ ناپائدار کا المیہ بھی اس سے مختلف نہیں پاکستان کے وجود کو ملتقی زادوں اور یہودیوں کی بلی بھگت کا گھن شروع دن سے ہی لگ چکا تھا۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ حضرت علّامہ اقبال اور قائدِ اعظم کی کاوشِ گل رنگ پاکستان کو برس ہا برس تک زمینِ بے آئین رکھا گیا —— پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانے کے لئے بنگال اور سندھ کے ہندوؤں کو سیاسی رشوتیں دے کر توانا کیا گیا انہیں ہنکایا گیا ان کے سُوکھے اور کاٹنا حلق کو مفادات کے منبع سے تر کیا گیا۔ پنجاب، سندھ، بلوچستان اور سرحد میں مبیٹھ کر بڑی بڑی جاگیروں، کارخانوں اور ملوں پر قبضہ جما کر لکھنو دِلی دکن کی میراثنوں کی یاد میں ٹسُوے بہانے والوں کو بیوروکریسی کا ستون بنایا گیا۔

ان بدکاروں کے لسانی تعصّب، تہذیبی نشیب فراز اور نمردوی اختیارات نے پُورے ملک میں انسانوں کو بانٹ کر رکھ دیا اور ان ڈبل کراس ایجنٹوں نے ہندوؤں کی یہ بات سرزمین پاکستان میں نتیجہ خیز ثابت کر دی کہ جو ملک نفرت کی آگ سلگا کر تقسیم کے عمل سے قائم ہوا ہو۔ اس ملک میں یہ عمل ہمیشہ جاری رہتا ہے۔

ان عجمی درندوں نے دسمبر ۱۹۷۱ء میں پاکستان کو دو نیم کیا اور ٹھیک ۲۵ برس کے بعد وہی نفرت 'عداوت' بغض انتقام اور تعصبات نے سراج الدولہ کی سرزمین پھر سے کانگریسی ناگن اندرا گاندھی کے چرنوں سے چھوا دی۔

بنگال کے حالات اور سندھ کے حالات میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہے وہاں بھی ہندو نے ہی بنگلہ قومیت کا پرچار کیا۔ سندھ کے ہندو نے بھی سندھی قومیت کا نعرہ بلند کیا۔

۱۸۸۰ —— ۱۹۲۱ —— ۱۹۳۰ —— اور ۱۹۴۷ء میں سندھ آنے والے پنجابی مسلمانوں کو خبر کیا ہوتی

کہا گیا ـــــ اور سندھی مسلمان اور سندھی ہندو بھائی بھائی بن گئے۔ بالکل بنگال کی طرح ـــــ بھٹو صاحب کے دورِ اقتدار میں اس کا پہلا تجربہ کیا گیا۔ ہزاروں پنجابی مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ پھینکا گیا۔ ہزاروں پنجابی سندھ کی سکونت چھوڑ کر صادق آباد، رحیم یار خاں ملتان ساہیوال اور فیصل آباد میں آباد ہوئے حالانکہ وہ جمہوری دَور تھا اور بھٹو صاحب غریب عوام کے زبردست خیر خواہ بن کے اُبھرے تھے مگر شاید پنجابی مہاجر غریب عوام میں شامل نہ ہو سکے۔ ضیاء الحق مرحوم و مغفور کے ۱۱ سالہ دَور کی مذمت کرنیوالی موجودہ حکومت نے اعتراف کر لیا ہے کہ سندھ کے حالات ان کے بس میں نہیں رہے۔ یہ بڑی غور طلب بات ہے کہ سندھ میں پی پی پی کی حکومت جتنی مضبوط ہے اتنی مرکز میں بھی نہیں ـــــ اور یہ سندھی وہی سندھی ہے جو ضیاء الحق کو صرف اس لئے گالی دیتا تھا کہ ضیاء الحق پنجابی ہے اور اس نے ایک سندھی کو پھانسی پر لٹکا دیا ہے اور اسی لئے سندھی پنجابی سے نفرت کرتا ہے اور اسکی نفرت اب حقوق و مراعات کی تکمیل سے ختم نہیں کی جا سکتی بلکہ انتقام، عداوت، اور نفرت کی یہ آگ ان کی پسند کے مطابق ہی بجھائی جا سکتی ہے ـــــ ان کی پسند کیا ہے وہی جو محترمہ بے نظیر زرداری فرماتی ہیں ـــــ وہ کیا فرماتی ہیں۔ یہ بات نہ پہلے ڈھکی چھپی تھی اور نہ اب ـــــ ان کے شہنشاہی اقتدار کے قومی اخبارات کی شہ سرخیاں غیر ملکی انٹرویوز خصوصاً ترکی سے جاری ہونے والے بیانات اور پاکستان میں اداروں شعبوں کی اٹھا پٹخ ایک نظر میں دیکھیں تو یہ بات مزید روشن ہو جاتی ہے کہ وزیر اعظم صاحبہ اپنے والد ماجد کے عہد کو واپس لانا چاہتی ہیں اور اس راستے میں جتنی بھی رکاوٹیں ہیں مثلاً مسئلہ افغانستان، نفاذِ اسلام، مرزائیت کا مسئلہ، روافض کا مسئلہ، دینی اقدار کا احیاء، عورت کا دائرہ کار حدود و قصاص اور دیت کا مسئلہ، اور ضیاء دَور کی اصلاحات ـــــ وہ ان سب کو اندرونی اور بیرونی وسائل و ذرائع سے مٹا ڈالنا چاہتی ہیں تاکہ پاکستان سیکولر اسٹیٹ کے طور پر دنیا کے نقشے پر اُبھارا جا سکے اور اگر پورا پاکستان ان کے خواب کی تعبیر نہ بن سکے تو کم سے کم سندھ تو قبضے میں ہے جہاں ہندو ان سے راضی ہے۔
اس سلسلہ میں انہیں اس بات کی قطعاً پرواہ نہیں کہ عوام کو پانی، بجلی، اجناس، خوراک، لباس، علاج تعلیم رسل و رسائل مواصلات کی سہولتیں ملتی ہیں یا نہیں ـــــ ملتی ہیں تو سستی ہیں کہ مہنگی ہیں۔ ان پر تو ضیاء الحق اور مذہبی عناصر مسلط ہیں اور وہ بہر نوع اس تسلط کو فضاءِ ہستی سے محو کرنے پر تُلی بیٹھی ہیں ـــــ اس سلسلہ میں سب سے بڑا حادثہ یہ ہے کہ پاکستان کے ہندو رافضی، مرزائی اور امریکہ کے یہودی وزیر اعظم صاحبہ کے زبردست حامی ہیں جس سے پی پی پی کی منزل مراد واضح اور روشن ہو جاتی ہے کہ یہ لوگ بقا کے مسافر نہیں،

فنا کے ٹورسٹ ہیں۔

علماء کرام: پاکستانی عوام کی بدقسمتی یہ ہے کہ اس ملک کے تمام طبقوں سے متعلق علماء بُری طرح تفرقہ و انتشار کا صید زبوں ہو چکے ہیں اگر بریلوی تین چار حصوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ تو اہلِ حدیث بھی تین چار جتھوں میں بٹ گئے ہیں اور دیوبندیوں کی تو خیر سے ۲۱ جماعتیں ہیں ان حالات میں علماء امت کی یک جہتی کا رول کیسے ادا کر سکتے ہیں پھر سیاسی طور پر علماء کا ایک مضبوط گروہ پی پی پی کا حلیفِ محمل ہے تو علماء کا دوسرا مضبوط گروہ آئی جے آئی کا حلیفِ مقتدر —— مگر یہ دونوں دینی مفادات کے تحفظ میں بالواسطہ اور سیاسی مفادات کے تحفظ میں اصلاً سرگرم ہیں انہیں اس سے غرض نہیں کہ ملک میں پیدا ہونے والی سیکولر پاورز پاکستان کا نین نقش ہی تبدیل کرنے کے پروگرام پر عمل پیرا ہیں تو اسکے دینی نقوش کے بجائے کی کوئی صورت پیدا کریں —— وہ یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں مگر دونوں گروپ سیکولر پاورز کے ساتھ اپنے معاہدات کی وجہ سے منقار زیر پر ہیں۔

۸۹ وکلاء لاہور: لاہور ہائی کورٹ کے ۸۹ وکلاء نے حدود آرڈی ننس کو غیر انسانی قرار دیتے ہوئے اس کے ختم کرنے کی درخواست دی ہے ہائیکورٹ کے جج صاحبان کیا کرتے ہیں اور کیا نہیں —— ؟ سوچنے کی بات یہ ہے کہ گناہ اور بُرائی ختم کرنے کے لئے دنیا کے تمام ممالک میں قانونِ احتساب کا خوف ہی وہ واحد راستہ ہے جو انسانوں کی سرکشی کو لگام ڈال سکتا ہے۔ یورپ نے جس چیز کو بُرائی سمجھا اس کے خلاف زبردست سزائیں موجود ہیں، مثلاً کیتھرین اگر کورٹ میں جا کر کیس کرتی ہے کہ سولارز نے اس سے جبراً جنسی عمل کیا ہے تو وہاں قانون اسے چودہ سال کی کم سے کم سزا دیتا ہے حتیٰ کہ اگر ماں باپ بھی کسی لڑکی سے اس کے پسندیدہ انسان کو الگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو قانون ان والدین کو عبرتناک سزا دیتا ہے۔ چونکہ برائی کا معیار ہر معاشرے میں الگ الگ ہے۔ اس لئے اسکی سزائیں اس معاشرے کے مزاج و حالات کے مطابق رکھی گئی ہیں۔ پاکستان میں زانی بدکار اور حرام کاروں کو خنزیر صفت سمجھا جاتا ہے اس لئے اس کے لئے حدود آرڈی ننس کا وجود انتہائی ضروری ہے اگر اس کا خوف بھی جاتا رہا تو یہ ملک تو لندن کی "سفید رات" کا نقشہ پیش کرے گا —— ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ۸۹ وکلاء جنسی حمار ہیں اور یہ خود چونکہ انسانی دائرہ کی تمام اقدار پامال کر چکے ہیں۔ اس لئے یہ اس خوف کو بھی ہٹانا چاہتے ہیں جنسی وحشیوں کو کھٹی کر کے معاشرہ میں حرام عام کرنا چاہتے ہیں۔ جبکہ پاکستان میں قوانین پر صحیح عمل نہ ہونے کی وجہ سے حرامی بچوں کے سینٹرز موجود ہیں اور

اگر حدود کی سزاؤں کا خوف بھی جاتا رہا تو "حرامی معاشرہ" کی تحقیق کو کون روکے گا۔ ؟

منشیات کے بیوپاری انسانیت کے دشمن : موجودہ حکومت نے کلاشنکوف اور ہیروئن کلچر ختم کرنے کا اعلان کیا اس سلسلہ میں پکڑ دھکڑ کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے قطع نظر اس کے کہ کون پکڑا گیا اور کون نہیں —— ہمارا بس چلے تو ان منشیات فروشوں کے قبیلے کا ایک ایک فرد درختوں سے اُلٹا لٹکا دیں لیکن ؎

نادیدنی کی دید سے ہوتا ہے خون دل
بے دست و پا کو دیدۂ بینا چاہیئے ؎

حکومتی سطح پر جہاں مثبت کام ہوگا وہاں کچھ منفی کام بھی ہو رہے ہیں مثلاً جنرل ضیاء الحق مرحوم و مغفور کو منشیات کو عام کرنے میں ملوث کیا جا رہا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ وہ گناہ ہے جو بہادر دشمن نہیں کیا کرتے۔ یہ ایسا ہی الزام ہے جیسے کوئی عجمی مردود یہ کہے کہ معاذ اللہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شراب پیتے تھے۔ اس سے کوئی قاری یہ نہ سمجھے کہ ہم نے ضیاء الحق کو حضرت عمر سے تشبیہ دی ہے بلکہ یہ اس لیے لکھا ہے کہ ایرانی دھرم کے پیروکار یہ ہذیان بکتے ہیں اور جس طرح ان کا کہنا بکواس ہے اسی طرح یہ بھی لغو حرکت ہے جو انتقام کی انتہائی بھونڈی شکل ہے۔ پھر مرے ہوئے انسان سے انتقام لینا کیا بہادری ہے ؟ جو لوگ اس ذلیل دھندے میں ملوث تھے یا ملوث ہیں اور دندناتے پھرتے ہیں ان کی وڈیو کیسٹ ٹی وی پر دکھائی جائے تو کوئی بات بھی ہے۔ یہ بھی کیا کہ "مرے کو مارے شاہ مدار" —— بالفرض اگر خدانخواستہ جنرل صاحب مرحوم اس قبیح جرم کے مرتکب تھے بھی تو وہ عالم آخرت کو سدھار گئے جو زندہ ہیں اور انسانیت کے قتل کے گھناؤنے جرم کے مرتکب ہیں اور بااختیار لوگ حتیٰ کہ عوام بھی ان خبیثوں سے آگاہ ہیں، حکومت انہیں کیوں نظر انداز کر رہی ہے —— ؟ جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ وہ اب بھی کسی نہ کسی پہلو سے اقتدار کا حصہ ہیں حکمران بتا سکتے ہیں کہ ان سے صرفِ نظر کی وجہ کیا ہے —— ؟

پروفیسر طاہر القادری صاحب : جناب طاہر القادری صاحب بریلوی مسلک کے حنفی مسلمان ہیں۔ کئی برس سے وہ منہاج القرآن کے نام خوش نام سے احیاءِ دین کا معقول و مضبوط کام کرتے چلے آ رہے ہیں، جس سے خواص و عوام کو بہت فائدہ ہوا اختلافی مسائل سے قطع نظر انہوں نے اعتدال کی راہ بہرحال اپنائے رکھی۔ مگر جانے کس کی نظر کھا گئی انہیں کہ وہ قرآنی منہاج کو چھوڑ

پچھاڑ یونانی منہاج پر چل کھڑے ہوئے پھر انہوں نے اپنے اندر عجب یکجہتی پائی کہ بن سوچے سمجھے انہوں نے مصطفوی انقلاب کے لئے عیسائیوں کو اپنی پاکستان عوامی تحریک کا ممبر بننے کی دعوت داغ دی۔ فقہی مسائل میں اختلاف تو خیر قابلِ برداشت تھا مگر یہ "سکہ بند کفار اور مرتدوں سے استعانت ایک لمحہ کے لئے قابلِ قبول نہیں۔

ہم سمجھتے ہیں قادری صاحب کے غبارے سے ہوا نکل گئی ہے اور وہ مرزائیوں کو مباہلہ کا چیلنج کر کے چوکڑی بھول گئے ہیں اور مرزائیوں کی زیرِ زمیں سازشوں کا شکار ہوگئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ــــــ اللہ انہیں منہاج قرآن پر واپس آنے کی توفیق دے۔ قادری صاحب جس مصطفوی انقلاب کا علم بلند کرنے نکلے ہیں، وہ انقلاب عیسائیوں رافضیوں اور مرزائیوں کے غلغلے سے برپا ہوگا؟ ہم یقین کے ساتھ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ قادری صاحب مغربی افکار کی یلغار کے سامنے سینہ سپر ہونے کی سکت نہیں رکھتے انہوں نے بھی مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی کے سیکولرزم کو نظریہ ضرورت کے ماتحت قبول کر لیا ہے اور جس طرح پاکستان کے دیگر جمہوری مولوی تاویل و تعبیر کے زہر کو تریاق بنا کر پیش کرتے ہیں، قادری صاحب بھی یہی گناہ کرنے پر تل گئے۔

ع خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے

اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ پی ٹی وی کے بنارسی ٹھگوں کے نرغے میں :

ضیاء الحق کے دورِ حکومت میں ٹیلیویژن کے پروگراموں کی پچاس فی صد تطہیر ہوگئی تھی۔ مگر بے نظیر کے اقتدار میں ٹیلی ویژن پروگراموں کو الٹی زقند لگوائی گئی اور دورِ جاہلیت کی تمام مذموم صورتوں کو ٹی وی کی سکرین پر جلوہ گر دیا گیا ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اسلم اظہر فکری رشتوں کی نسبت یہودیت کی شاخ سبائیت سے متعلق ہیں اور اس "قبیلہ مبروص" کی تمام مکروہ آرزوؤں کی تکمیل کے لئے ادھار کھائے بیٹھے ہیں پوری دنیا کے باشعور لوگوں کو علم ہے کہ حضرت اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کے وہ واحد حکمران ہیں جنہوں نے اپنے عہد حکومت میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کی یاد تازہ کر دی تھی۔ عہدِ اورنگ زیب میں بہر نوع دین کو بالادستی حاصل تھی اور انہوں نے مرہٹوں اور ان کے شیعہ حلیفوں کو ہمیشہ ناکوں چنے چبوائے۔ ان کی سازشوں، بغاوتوں اور نفرتوں کی دھکائی ہوئی آگ کو فرد کرنے میں اورنگ زیب نے ۲۵ برس صرف کر دیئے۔ مگر یہ نفرتوں کے عفریت آج بھی اسی عمل میں مصروف ہیں اور بے نظیر کے اقتدار میں انہیں کھل کھیلنے کا موقع میسر آیا ہے۔ انہوں نے اپنے اسلاف سیواجی اور ان کے شیعہ حلیف نوابوں کا انتقام لینے کے لئے اورنگ زیب کو گالی بکی ہے جس

نے پورے پاکستان کے ٹی وی دیکھنے والوں کے فکر و نظر کو مسموم کیا ہے اور پی ٹی وی کے اربابِ اختیار کی خباثت مزید واضح ہوگئی ہے ہم سمجھتے ہیں کہ ایسے ناپاک عناصر کا قومی پیمانے پر احتساب ہونا چاہیئے اور پی ٹی وی کو ان رذائل سے پاک کر دینا چاہیئے ۔

مولانا تاج الدین بسمل شہید :

مولانا تاج الدین رحمہ اللہ کو راقم اس وقت سے جانتا ہے ۔جب وہ بسمل احرار اسلام کے پنجاب میں ہونے والے پبلک اجتماعات یا احرار کی میٹنگز میں تشریف لایا کرتے تھے مولانا نے زندگی بھر مرزائیت اور رافضیت کے استیصال کے لیئے اپنی تمام توانائیاں صرف کیں یہ دونوں شر دو طبقے مولانا کی دینی حمیت و غیرت سے بہت جز بز ہوا کرتے تھے۔ مولانا مرحوم بیسیوں مرتبہ گرفتار ہوئے جھوٹے مقدمات میں ملوث کیئے گئے معاشی و معاشرتی طور پر انہیں بہت پریشان کیا گیا مگر مولانا نے حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ سے وابستگی میں جو جذب دروں پایا تھا وہ بڑھتا ہی گیا اور آپ مرزائیوں اور رافضیوں کی بغاوتوں کو فرو کرنے کے لئے مجاہدانہ کردار ادا کرتے رہے ـــــ گزشتہ دنوں کسی بد ذات نے انہیں اپنی سازشی گولی کا نشانہ بنا دیا مولانا شہید ہوگئے اور سندھ کی صوبائی حکومت کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ لگ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ سندھی حکومت مولانا کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچائے ـــــــ

ڈاکٹر عبدالسلام مرزائی سائنسدان :

ڈاکٹر عبدالسلام پاکستان آنے کے لئے پر تول رہے ہیں اور بے نظیر کی وزارتِ عظمیٰ انہیں قبولنے پر آمادہ نظر آتی ہے ۔ڈاکٹر عبدالسلام ویسے ہی سائنسدان ہیں جیسے غلام احمد قادیانی کی نبوت نہ یہ اصلی نہ وہ اصلی۔ ایک فرنگی کا انتخاب دوسرا یہودیوں کا انتخاب اور فرنگیوں کا ملازم۔ وہ اگر پاکستان میں آئے گا تو اپنے آقاؤں کے پروگرام کو لے کر آئے گا اور ڈبل کراس ایجنٹ کا رول ادا کرے گا ۔اور ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں برطانیہ واپس جانے والا بے نظیر بھٹو کے دور میں واپس آئے ؟

ع اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا

پی پی پی والوں کو خوب غور کرنا چاہیئے کہ بھٹو کا دور غلط تھا یا بے نظیر کا ـــــ ایک آدمی کے دو ملے سیاسی رخ صحیح نہیں ہو سکتے ۔ اور باپ بیٹی کے دو دور اگر باہمی ربط کے حوالے سے درست ہیں تو عبدالسلام کا برطانیہ میں رہنا ہی بہتر ہے ۔ تب پاکستانی سائنسدانوں کی پاکستان کو بہت زیادہ ضرورت تھی،

اب تو پاکستانی سائنسدانوں نے اللہ کے فضل سے وہ مقام حاصل کرلیا ہے جو بڑی طاقتوں کے سائنسدانوں کو حاصل ہے اور پاکستان اب اس مقام پر ہے کہ وہ بڑی سے بڑی دشمن قوّت کا مُنہ توڑ جواب دے سکتا ہے ــــ اس مرحلہ میں ایسے بَدباطن پاکستان کے دشمن کا وطن واپس آنا ایک گہری سازش اور بڑی طاقتوں کا فریب ہے ۔ اگر عبدالسلام پاکستان آیا تو اُسے یہ آمد بہت مہنگی پڑے گی ۔

حاصلِ مطالعہ

سفرِ آخرت قریب ہے

- جلد ہی دنیا تمہارا نام زندوں کی فہرست سے نکال کر مُردوں کی فہرست میں داخل کر دیگی
- تمہارے نام کی مسلیں عدالتوں میں داخل دفتر ہو جائیں گی ۔
- احباب و اقرباء چند روز تمہیں خوب یاد کر کے ہمیشہ کے لئے بھول جائیں گے ۔
- والدین بہت روئیں گے بالآخر مایوس ہو کر بیٹھ جائیں گے ۔
- بیوی کچھ عرصہ تک سوگوار رہے گی مگر چند روز کے بعد حالات کی تبدیلیاں اُسے تازہ مشاغل میں اُلجھا دیں گی ۔
- بچے بہت یاد کریں گے لیکن رفتہ رفتہ اُن کے ذہن سے بھی تمہارا نقش محو ہو جائیگا ۔
- طوفان باد و باراں حسب دستور تمہاری قبر کی بلندیوں کو ہموار کر کے تمہارا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دے گا اور نصف صدی گزرنے پر اس بات کا باور کرنا مشکل ہو گا کہ تم کبھی دنیا میں تھے ــــــ

دنیا بیٹھ موڑ رہی ہے اور آخرت سامنے آرہی ہے ..... تم آخرت کے چاہنے والے بنو ..... دنیا کے چاہنے والے نہ بنو !

- آج کا دن کام کا ہے حساب کا نہیں ..... کل کا دن حساب کا ہو گا کام کا نہیں ــــ

(مُرسلہ :۔ خاموش مبلغ ۔ ملتان)

کشتیٔ بے بادباں

ہماری بھی سنو او حکمرانو !	کہ ہم غریب ہیں اور صاحب غم بھی
نہ چھیڑو کشتیٔ بے بادباں کو	جواب ڈوبو گے تم ڈوبیں گے ہم بھی

قمر الحسنین

سیدنا معٰویہ رضی اللہ عنہ
اور اُن کے بے رحم ناقدین :

آیت تمکین و استخلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور قاضی صاحب: قارئین پڑھ چکے ہیں کہ قاضی صاحب کے نزدیک صحابہ کو خلافتِ راشدہ موعودہ والی آیات کے بارے میں علم ہی نہ تھا کہ یہ آیتیں ان چاروں خلفاء گرامی صلوٰۃ اللہ علیہم کے لئے مخصوص ہیں ۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہ اور ان کے حلقہ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تو مذکورہ آیات کے مصداق علم نہ تھا تو کیا سیدنا علی اور ان کے حلقہ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس کا علم تھا کہ نہیں ؟ اور اگر انہیں اپنے منصوص اور موعود ہونے کا علم تھا تو کیا انہوں نے اپنے مدِ مقابل بزرگوں کو مطلع کیا ۔ ؟ اگر ایسا بھی نہیں ہوا اور ہرگز نہیں ہوا —— تو پھر سوال یہ ہے کہ جناب قاضی صاحب کو اس چھپی ہوئی حقیقت کا کیسے علم ہو گیا ؟ یہ خزانہ ان کے ہاتھ کہاں سے لگا ؟ جبکہ قاضی صاحب اس کے خود معترف ہیں کہ صحابہ کو یہ معلوم ہی نہ تھا تو ظاہر ہے قاضی صاحب کا ماخذ غیر صحابہ عجمی بزرگ ہوں گے جن کی فکری کاوش نے صحابہ کو باطل کہنے کا عجمی ذوق پیدا کیا —— کیا ان بزرگوں کا استدلال ماننا شریعت ہے —— ؟ شریعت کا جزء ہے —— ؟ نہیں اور ہرگز نہیں —— خلافتِ موعودہ و منصوصہ کا یہ تصور غیر صحابی افراد کی ذاتی رائے و استنباط ہی ہو سکتا ہے ۔ نص قطعی نہیں یہ تو اشارہ النص کے درجہ کی بات بھی نہیں جو صحابہ کے استنباط کے مقابلہ میں یقیناً مرجوح ہے ۔ صحابہ کا استنباط راجح ہے ، صحابہ کا استنباط ماننا وجوب کے درجہ کی بات ہے اور بعد کے لوگوں کی رائے کو ماننا نہ فرض واجب اور نہ ضروریات میں سے ہے اور نہ ہی یہ دین کے ایسے مسائل میں سے ہے کہ جو اس کا انکار کر دے اسے فتویٰ کی زد پہ لا کر پھبتی دے دی جائے اور خارجیت جیسا کردہ فتویٰ لگا دیا جائے —— جبکہ غیر صحابی کے استنباط کا منکر صحابہ کے استنباط

کا پیرو ہے۔ صحابہ کا پیروکار خارجی نہیں ہے بلکہ غیر صحابہ کے استنباط کو نص کہنے والا رافضی ہے۔ صحابہ کے پیروکار اجر گرامی کے مستحق و گرامی قدر ہیں اور غیر صحابہ کے پیروکار مردود ہیں۔ یہ فردِ جرم تو قاضی صاحب اور اُن کے ہم نواؤں پر عائد ہوتی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما پر یا ان کے نیازمندوں پر ہرگز ہرگز عائد نہیں ہوتی امام ابوحنیفہ کے عہد سے قاضی مظہر حسین تک کے لوگ صحابہ کے تفقہ، استنباط، اور استدلال کے سامنے قربان کیے جا سکتے ہیں صحابہ کا قیاس براہِ راست نورِ نبوت سے روشن ہے اور قاضی صاحب کا قیاس ظلمتِ عجم سے مستعار۔ ——— خلافت کا مسئلہ عام فقہی مسائل میں سے نہ تھا کہ صحابہ کی آنکھ سے اوجھل رہ جاتا۔ الائمۃ من قریش کا اعلانِ نبوی و مژدہ الہام بھی تو سیدنا عبداللہ ابنِ عباس اور سیدنا معاویہ کے پیشِ نظر تھا اور دونوں بزرگ صحابی خود بھی تو قریش کے سرخیل تھے اور ان بزرگوں کا فیصلہ قرآن و سنت کی روشنی میں بالکل درست تھا۔

قاضی صاحب اور ان کے عجمی ہم نواؤں کی ترجیحات بے دلیل اور محض کٹ حجتی پر مبنی ہیں اور ان کی تنقیحات سے جو نتائج نکلتے ہیں وہ کچھ یوں ہیں:

۱۔ آیت تمکین و آیت استخلاف صحابہ کے علم میں نہ تھی۔

۲۔ یہ آیات صحابہ کے پیشِ نظر ہی نہ تھیں۔

۳۔ صحابہ کو قرآن کی خلافتِ راشدہ موعودہ کی ترتیب تک کا علم نہ تھا۔

۴۔ دین کا اصولِ خلافت صحابہ کو معلوم نہ تھا۔

۵۔ شخصِ خلافت کا تعین اور عزل اجتہادی امر نہ تھا بلکہ شخصِ خلافت بھی منصوص تھا مگر صحابہ کو علم نہ تھا۔ (اعاذنا اللہ من ھذہ الھفوات) (صرف چکوال میں علم کا نزول ہوا۔)

کیا یہ دفاعِ صحابہ ہے؟ کیا یہ سب کچھ صحابہ کے قرآنی منصب کے مطابق ہے؟ کیا یہ بدترین توہین نہیں؟ اور یہ تمام خرافات بے چون و چرا مان لی جائیں تو یہ حقانیت و سنیت ہے اور اگر رد کر دی جائیں تو خارجیت ——— آخر کیوں؟ کیا قاضی صاحب اللہ و رسول سے سند یافتہ ہیں؟ دینی عقل و شعور تو کہتے ہیں یہ گھٹیا درجہ کی شیعیت ہے۔ کیونکہ قاضی صاحب نے ان تنقیحات کے لئے ذاتی قیاس کو ترجیح دی ہے اور اعلیٰ درجہ کے شیعہ مولا علیؓ کو مرکزِ علم اور ولی رسول مان کر ان کے عمل کو قضاءِ الٰہی مانتے ہیں ذاتی استنباط کی ٹانگ نہیں اڑاتے۔

قارئین ایک بار پھر غور فرمائیں کہ سیدنا عبداللہ ابنِ عباس سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے پیشِ نظر قرآنی آیت بھی اور حدیثِ رسول بھی جو درج ذیل ہے :

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوماً فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَاناً ـــــ	اور جو مارا گیا ظلم سے تو دیا ہم نے اس کے وارث کو زور (ترجمہ شاہ عبدالقادر)
ـــــ انه کان منصوراً ؎	اس کو مدد ہوئی ۔ پ۱۵ بنی اسرائیل
الائمہ من قریش ـــــ	آئمہ قریش میں سے ہوں گے

اس آیت و حدیث سے انہوں نے " استدلال و استنباط کیا جبکہ انه کان منصوراً کی نص بھی روشن روشن موجود ہے ـــــ حقیقتاً " یہ منصوص ہے اور اگر اسے منصوص نہ بھی مانا جائے اور مستنبط ہی مانا جائے تو بھی دو صحابہ کا استنباط ہے اور اس پر صحابہ کا اجماع ہوا جو حجت ہے اور قاضی مظہر حسین جیسے عام آدمی (صحابہ کے تقابل میں) کا ذاتی جوڑ توڑ قیاس و استخراج لفظ نہیں حجت نہیں واجب القبول بھی نہیں ۔

قاضی صاحب مامور من اللہ ہیں ، نہ مجتہد ، نہ فقیہہ ، نہ امام تاریخ اور نہ ہی مشاجرات صحابہ میں جج اور پنچ انہوں نے کس حیثیت میں صحابہ کے بارہ میں اتنے بڑے فیصلے کر دیئے ـــــ قاضی صاحب !

ع ہر چند عقل کل شدہ ای بے جنوں مباش

صورتاً اور حقیقتاً " کی بے مغز اور بودی گفتگو : قاضی صاحب نے اپنے پیش رووں کی اور اپنی فردِ جرم کو حق ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر تاویل کے سوا کچھ نہ بن پڑا ۔ قاضی صاحب وضاحت کریں کہ حضرت معاویہ حضرت عمرو بن عاص حضرت ابوموسیٰ اشعری حضرت مغیرہ ابن شعبہ حضرت طلحہ ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم و رضوانہ عنہ و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی ، کیا انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو گناہ گار نافرمان ، فاسق اور باطل (صورتاً " ، حقیقتاً " نہیں) سمجھتے ہوئے بیعت کی تھی ؟ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہونے کا جو فیصلہ کیا انہیں صورتاً " باغی ' باطل ' فاسق ، نافرمان ' گنہگار اور خلافتِ موعودہ سے لاعلم سمجھتے ہوئے کیا تھا ؟ یا انہیں حق دار مان کر کیا تھا ؟ اور پھر حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے ان کی بیعت انہیں ناحق

جان کر کی تھی یا خلافت کا حق دار اور اہل جانتے ہوئے بیعت کی تھی ——— ؟ اگر امام حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت و امامت کبریٰ ایک باغی اور باطل ظالم و فاسق شخص کو سونپی۔ تو پھر یہ تمام ذمہ داری ان کی ہے سیدنا معاویہؓ کی یا دیگر صحابہ کی نہیں ! ——— قاضی صاحب کے استدلال کی ژولیدگی ملاحظہ ہو کہ جنگِ صفین میں فریقین میں حق و باطل کی تقسیم کے لئے قرآنِ کریم پر بھی ہاتھ صاف کر دیا۔

وعصىٰ آدم ربه فغوىٰ [1]

اور حکم ٹالا آدم نے اپنے ربّ کا پھر راہ سے بہکا۔ (ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ)

شاہ صاحب پر اللہ کی رحمت ہو انہوں نے ترجمہ میں ہی دونوں باتیں حل کر دیں لیکن قاضی صاحب کی آنکھ نے یہ نہ دیکھا اور اپنے قیاس کو اپنے استدلال سے مضبوط کرنے کے لئے قرآن کے باقی حوالے بھی بھلا دیئے۔ قرآن کہتا ہے کہ شیطان نے ناصح کا روپ دھار کر قسمیں کھا کھا کے آدم و حوا علیہما السلام کو یقین دلایا تو وہ بہک گئے۔

وقاسمهما إني لكما لمن الناصحين [2]

اور ان کے پاس قسم کھائی کہ میں تمہارا دوست ہوں۔ (ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ)

جب ابلیس نے قسمیں کھا کر دوستی کے لبادے میں انہیں یقین دلایا تو ان کا بہکنا لازمی امر تھا۔ کیونکہ قسم پر اعتبار اخلاقِ عالیہ کا حصہ ہے اور آدم علیہ السلام جو نبوت کے لئے تخلیق کئے گئے تھے۔ وہ بھلا اپنے اخلاقِ عالیہ کو کیسے ہاتھ سے جانے دیتے۔

یہ مسلّمہ کلیہ ہے کہ قرآن کریم اپنی تفسیر خود بھی کرتا ہے جیسا کہ سابقہ آیت سے واضح ہے۔ کہ سیدنا آدم علیہ السلام کی طرف جو یہ نسبت کی گئی ہے۔ یہ مقام و مرتبے کے لحاظ سے ہے اور محض لفظی بات ہے۔ اور بہکنے اور گمراہ ہونے میں بہت فرق ہے بہکنے کا تعلق آیتِ سابقہ کی وضاحت سے قسم کھا کر نصیحت کرنے والے کے بہکاوے سے ہے یعنی خارجی اثرات کے ماتحت ہے اور غوایت کا تعلق داخلی اور نفسی جذبہ سے ہے جو سیدنا آدم علیہ السلام میں ہرگز ہرگز موجود نہیں ہے۔

قرآن کریم کی تیسری آیت کریمہ اس عمل اور واقعہ کی مزید تشریح کرتے ہوئے گویا ہے :

---

[1] ۱۲۱، پ ۱۶ س طٰہٰ [2] ۲۱ پ ۸ س اعراف

فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا ۹۳ — پھر بھول گیا اور نہ پائی اس میں کچھ ہمّت ۔۔۔ (ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ)

سیّدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی داخلی ہمّت سے اس عمل کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ یہ بہکاوا اور نسیان ہے ۔ کاش اپنے مخالفوں کو جاہل اور گستاخ کہنے والے اپنی تحریروں، جذبوں اور افکار پر بھی نظر ڈال کر کچھ جھانکنے کی کوشش کریں ۔

قاضی صاحب نے اپنے جس مفروضہ مسلک کو ساری اُمت کا مسلک ثابت کرنے کے لئے قرطاس و قلم کی آبرو کا خون کیا اور تحقیق و دفاع کے آبگینے کو ریزہ ریزہ کیا ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ وسلامہ علیہم کی بردبار اجتہاد و استنباط کے جس طرح چیتھڑے بکھیرنے کی خوفناک اور ہلاکت آفریں جسارت کی ہے اور اپنے اس خود ساختہ مسلک کو ثابت کرنے کے لئے جتنے بھی غیر صحابی اشخاص و اکابر کو بطورِ حوالہ پیش کیا ہے میں پوری دیانتداری سے کہتا ہوں یہ سب غلط ہیں یہ سب خطا کار ہیں بے علم ہیں یہ سب گنہگار ہیں ۔ یہ سب باطل ہیں یہ سب باغی ہیں یہ سب فاسق ہیں یہ سب ظالم ہیں ۔۔۔ کیونکہ انہوں نے نہایت بے دردی ، بے رحمی سے اُمّت اور میرے بزرگوں دین و ایمان کے رفیع الشان ستونوں نبی کے وارثوں سیّدنا معاویہ

سیّدنا طلحہ ۔۔۔

سیّدنا زبیر ۔۔۔

سیّدنا مغیرہ بن شعبہ ۔۔۔

سیّدنا عمرو بن عاص ۔۔۔

سیّدنا ابو موسیٰ اشعری ۔۔۔

سیّدنا امام حسن بن علی ، سیّدنا عبداللہ بن عباس ، سیّدنا عبداللہ بن عمر ، سیّدنا مروان سیّدنا نعمان بن بشیر (رضی اللہ عنہم وارضاہ)

اور ان کے ہزاروں صحابہ ، ساتھیوں کو رافضیوں کی طرح باغی ، باطل ، فاسق ، نافرمان ، گناہ گار ، ظالم ، لاعلم اور خطا کار کہا ہے ۔ یہ تمام بدتمیزی کے جُملے ، فیصلے اور "تمغے" ایرانی نسل خبیث کے رد افض

---

۹۳ پ ۱۶ سس طٰہٰ ۱۱۵

نے صحابہ کے بارے میں لکھے ہیں —— یہ الفاظ شیعۂ شنیعہ کا مؤقف بیان کرتے ہیں ——
اہلِ سُنّت والجماعت کا موقف ہرگز بیان نہیں کرتے۔ ان حضرات کی گفتگو اور استدلال کا وزن سبائیوں تبرائیوں کے پلڑے میں پڑتا ہے صحابہ کے پلڑے میں نہیں پڑتا۔ وہ بات ہی کیا ہوئی جس کے لئے پھر تاویلوں کا سہارا لینا پڑے۔ قرآن کریم نے صحابہ پر لگائے گئے تمام اِلزامات دھو ڈالے ہیں۔ خواہ وہ نزولِ قرآن سے بعد ہی کیوں نہ لگائے گئے ہوں —— اور کسی بھی عہد کے ہوں —— اور کسی کی طرف سے ہی کیوں نہ لگائے گئے ہوں —— قاضی صاحب اور ان کے محوّلہ افراد و اشخاص سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے حلقہ ء احباب کے مقابلہ میں کچھ بھی تو نہیں اگر مذکورہ بالا غلیظ و ثقیل الفاظ ان صحابہ کے بارے میں لکھتے ہوئے ان تمام لوگوں کو "اجر" ملے گا اور یہ مسلکِ حقہ سے بھی خارج نہیں ہوتے اور نہ ہی صحابہ کی تنقیص ہوتی ہے تو میں اپنے جیسے لوگوں کو یہی "تحفے" اگر لوٹا دوں اور یہی تمغے ان کی پیشانیوں پر سجا دوں تو بُرا کیا ہے کہ مرادآبادی مردوں کے لئے یہ صحرائی چادر بڑی نہیں —— قاضی صاحب اور ان کے متبعین صحابہ کے بارے میں مذکورہ قبیح و شنیع الفاظ واپس لے لیں تو میں بھی قلم زن کر دوں گا —— ورنہ اپنی جنگ رہے گی۔

واللہ اعلم بما تخفی الصدور، و اللہ اعلم باعدائکم وکفیٰ
باللہ ولیاً وکفیٰ —— باللہ نصیراً ——

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — اسمِ اعظم — نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت ابراہیم ادھمؒ سے پوچھا گیا کیا آپ اسمِ اعظم جانتے ہیں؟ حضرت ابراہیم ادھمؒ نے فرمایا جی ہاں اسمِ اعظم یہ ہے کہ تم اپنے پیٹ کو حرام لقمے سے اور دل کو دُنیا کی محبت سے پاک وصاف رکھو۔ پھر تم خدائے پاک کے جس نام کو بھی پڑھو گے وہ اسمِ اعظم ہوگا۔

دارالسعید
مقام وڈاکخانہ حویلیاں ضلع ایبٹ آباد ہزارہ

علیؓ و معاویہؓ

پروفیسر بشیر احمد بشرؔ

ہے جگمگاتے ہوئے آفتاب کا کہنا — کرن کرن ہیں، علیؓ و معاویہؓ دونوں
کلی کلی کی زباں پر یہی ترانہ ہے — چمن چمن ہیں، علیؓ و معاویہؓ دونوں

لبِ حرم کے تبسم شناس جانتے ہیں — لبِ حرم ہیں، علیؓ و معاویہؓ دونوں
سفر کو جاننے والے یہ بات مانتے ہیں — کہ ہم قدم ہیں، علیؓ و معاویہؓ دونوں

بہارِ حق! مجھے کیا امتیاز کا حق ہے — تری مہک ہیں، علیؓ و معاویہؓ دونوں
رُخِ یقیں! میں انہیں کیوں الگ الگ سمجھوں — تری چمک ہیں، علیؓ و معاویہؓ دونوں

فرشتے جن کی غلامی پہ فخر کرتے ہیں — وہ آدمی ہیں، علیؓ و معاویہؓ دونوں
شکست موت نے کھائی ہے جن کو اپنا کر — وہ زندگی ہیں، علیؓ و معاویہؓ دونوں

ضمیرِ دیں! مجھے لبیک کہنا پڑتا ہے — تری صدا ہیں، علیؓ و معاویہؓ دونوں
چراغِ عظمتِ بطحا! ترا ہے ناز بجا — تری ضیا ہیں، علیؓ و معاویہؓ دونوں

بلند فکر، بلند آستاں، بلند نظر
بلند بخت، علیؓ و معاویہؓ دونوں
وہ جن کی چھاؤں بشرؔ ہے محیط صدیوں پر
ہیں وہ درخت، علیؓ و معاویہؓ دونوں

مکتوب

مولانا عبدالحق چوہان

ناقدین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

محترم حضرت شاہ جی مدظلہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ تعقیب ختم نبوت میں شریک اشاعت آپ کا مضمون "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بے رحم ناقدین" کی قسط ثالث اس وقت پیش نظر ہے۔ دفاع صحابہ ایک ایسا دینی فریضہ ہے کہ جس کی سرانجام دہی اس وقت امت کے ان افراد پر لازم ہے جن کو خدا وند قدوس نے نعمت علم سے نوازا ہے۔ اس فریضہ کی ادائیگی میں آپ کی مساعی جمیلہ مستحق صد ستائش ہیں۔ خدا کرے مزید توفیق ہو۔ آپ کے حوالہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق "دفاع مُعاوِیہ" کے پردے میں قاضی مظہر حسین کے ریمارکس زیر نظر ہیں۔ ظاہراً و باطن کی تاویل کے تار عنکبوت میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق انہوں نے روافض کے قائم کردہ الزامات کو تسلیم کرکے ان کی تائید کرلی ہے۔ مشاجرات صحابہ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے توسط سے روایت کردہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول "وکلٌ علیٰ نورٌ" کو پھر کس محمل پر محمول کریں گے۔ جب کہ ہم نے تسلیم کرلیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بظاہر فاسق اور جائر تھے۔ اس تاویل کے تسلیم کرنے پر محترم قاضی صاحب سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اعمال واقعۃً ایسے ہی تھے کہ جن کے سبب ان پر صفت فسق وجور کا تحقق لازم تھا تو پھر اس تاویل کے تکلف برداشت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کہ آپ صرف ظاہراً فاسق تھے۔ اگر جواب میں قاضی صاحب فرمائیں کہ قرآن وحدیث کی وہ نصوص جن میں صحابہؓ کے متعلق صفت صدق رشد و ہدایت ثابت ہے یہی نصوص اس حکم کے اثبات سے مانع ہیں کہ آپ کے لئے بہ باطن صفت فسق کو ثابت کیا جائے۔ ان کی خدمت میں عرض کیا جائے گا کہ ان نصوص کا اطلاق اور ان کی عمومیت جس طرح اس امر کی متقاضی ہے کہ آپ پر بہ باطن صفت فسق وجور کا تحقق نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہ امر بھی ان نصوص سے ثابت ہے کہ ظاہراً بھی آپ سے صفت فسق وجور کی نفی کی جائے، تاکہ کامل طریق پر صحابہ کے لئے صفت رشد وہدایت ثابت ہو۔ اور یہی قرآن مجید واحادیث کا اقتضا ہے۔ اور پھر مزید براں اپنی

قرآن دانی اور صحابہ پر اپنے تفوق علمی کا یہ دعوٰی اور تعلی کہ

"حضرت علیؓ کا موعودہ خلیفہ راشد ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے لیکن دورِ صحابہ میں یہ نصوص پیش نظر نہ تھیں کیونکہ آیت و حدیث میں خلفاء اربعہ کے نام نہیں تھے۔"

قاضی صاحب کا مُنیقظ ذہن استخراج واجتہاد کے عمل سے ان نصوص کا مصداق ومحمل تو متعین کر سکتا ہے اور ان نصوص کا استحضار بھی ان کو حاصل ہے لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ان نصوص کے محمل کا علم اس لئے نہیں تھا کہ ان آیات میں خلفاء اربعہ کے اسماء گرامی کی تصریح نہیں ——

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق بھی انہوں نے اپنے جذبات کی تسکین ان الفاظ سے کی ہے:

"حضرت علی رضی اللہ عنہ بالاتفاق قرآن کے موعودہ چوتھے خلیفۂ راشد ہیں ان کے اس مرکزی منصب خلافتِ راشدہ کو تسلیم کرنے کے بعد آپ سے جنگ کرنیوالوں کو باغی قرار دیا جائے گا"

تاویلات کے پردے میں حضرات صحابہ کے متعلق اس طرح کا انداز فکر رفض و سبائیت کے نظریات کی تائید کرتا ہے، جو کہ منصب صحابہ کے خلاف ہے۔ قاضی صاحب کے یہ مزعومات اس مقدس جماعت کے متعلق ہیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور آپ کی صحابیت کے لئے خداوند قدوس نے منتخب کیا ہے۔

اولٰئك اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم كانوا افضل هذه الامة ابرها قلوباً و اعمقها علماً واقلها تكلفاً اختارهم الله لصحبة نبيه صلی اللہ علیہ وسلم ولاقامة دينه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم على اثرهم وتمسكوا بما استطعتم من اخلاقهم وسيرهم فانهم كانوا على الهدى المستقيم۔

(جمع الفوائد صد ۲۶ ج نمبرا)

"یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں۔ پوری امت سے افضل ہیں۔ سب سے زیادہ نیک دل ہیں ان کا علم بہت ہی گہرا ہے۔ تکلفات سے دور ہیں۔ خداوند قدوس نے ان کو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور اقامت دین کے لئے منتخب کیا ہے ان کی فضیلت کا اعتقاد رکھو اور ان کی اتباع کرو۔ اور ان کے اخلاق اور طور طریق کو حتی الوسع اختیار کرو اس لئے کہ وہ راہ ہدایت پر ہیں۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں صحابہ کرامؓ کی فضیلت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

ان اللہ نظر فی قلوب العباد فوجد قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم خیر قلب العباد فاصطفاہ وبعثہ برسالتہ ثم نظر فی قلوب العباد بعد قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوجد قلوب اصحابہ خیر قلوب العباد فجعل وزراء نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم یقاتلون عن دینہ۔

(ازالۃ الخفاء۔ ص ۹ ۔ ج ۔ ۱)

خداوند قدوس نے اپنے بندوں کے قلوب کو پرکھا' ان میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو سب سے زیادہ بہتر پایا۔ اس لئے آپ کو اپنا رسول منتخب کیا۔ پھر آپ کے قلب کے علاوہ باقی بندوں کے قلوب کو پرکھا۔ ان میں سے سب سے بہتر آپ کے صحابہ کے قلوب کو پایا۔ اس لئے ان کو اپنے پیغمبر کا مددگار منتخب کیا اور صحابہ نے اعلاء کلمۃ اللہ اور دین کی بلندی کے لئے جہاد کیا۔

حضرت الاستاذ الشیخ بنوری رحمۃ اللہ برد اللہ مضجعہ لفظ صحابی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اذا قلنا الرجل انہ صحابی او انہ صحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فناھیک بہ مزیۃ وفضیلۃ فی قوۃ ایمانہ وشدۃ یقینہ وکمال اخلاصہ وعمق علمہ و حسن عملہ وجہادہ فی سبیلہ وایثار لما عند اللہ وزھد فی الدنیا فکاننا اثبتنا کل کمال وجمال وفضل ونبل فاذن یکون ذالک ابلغ تعبیر واوجزہ لاثبات فضل وکمال۔

(مقدمہ عبقات ص۱)

جس وقت ہم یہ کہیں کہ یہ شخص صحابی ہے اور یا یہ کہیں کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی ہے۔ اس کے مرتبہ کی بلندی اس کے ایمان کی قوت اور شدت یقین اور اخلاص عمل کی کمالیت اور علم کی گہرائی اور حسن عمل اور جہاد فی سبیل اللہ اور دنیا سے بے رغبتی کی تعبیر کے لئے یہ ایک ہی لفظ صحابی کافی ہے۔ یعنی ایک ہی لفظ صحابی کہنے سے ہم نے اس شخص کے لئے ہر جمال اور ہر کمال کی فضیلت کو اس کے لئے ثابت کیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ تمام فضائل اور کمالات کے ثابت کرنے کے لئے یہ لفظ بہت ہی مختصر اور بلیغ تعبیر ہے۔

اور یہی وہ جماعت ہے جن کی ذوات مقدسہ اور جوہر نفس کی لطافت انبیاء علیہم السلام کے نفوس مقدسہ کی لطافت کے مشابہ ہے۔ حکیم الامتہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

دازمیان امت جمعی هستند که جوهر نفس
ایشان قریب بجوهر نفوس انبیاء مخلوق
شده وایں جماعت دراصل حضرت خلفاء
انبیاء اند۔ درامت بمثال آنکه آئینه آہنی
از آفتاب اثرے قبول می کند که خاک وچوب
وسنگ را میسر نیست۔ ایں فریق که خلاصه امت
اند از نفس قدسیه پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم
بوجهی متاثر می شوند که دیگر را میسر نمی آید۔
(ازالۃ الخفاء ۔ صہ ۹۔ ج نمبر ۱)

اور صحابہ امت سے اندر ایک ایسی جماعت ہے کہ ان کا جوہر نفس، پیغمبر کے جوہر نفس کے قریب ہی تخلیق کیا گیا ہے اور یہ جماعت اپنی فطری صلاحیت کے باعث انبیاء علیہم السلام کی نائب ہے اور امت تک دین کی فیض رسانی میں ان کی مثال اس طرح ہے جب آہنی آئینہ آفتاب سے اکتساب نور کے عمل سے دیوار کو منور کرتا ہے۔ لیکن مٹی، لکڑی اور پتھر میں یہ صلاحیت نہیں اور یہ جماعت مقدسہ امت کا خلاصہ ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو جو فیض حاصل ہوا ہے وہ دوسرے لوگوں کو حاصل نہیں ہو سکا۔

صحابہ کے علمی تفوق اور ان کی قرآن دانی کے متعلق امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

كانوا مصابيح الهدى واوعية العلم حضروا من الكتاب تنزيله ومن الدين جديده وعرفوا من الاسلام ما لم يعرف غيرهم واخذوا من رسول الله صلى الله عليه وسلم تاويل القرآن۔

صحابہ کرام ہدایت کے چراغ اور علم کے ظروف تھے۔ قرآن ان کے سامنے نازل ہوا۔ اور نیا دین ان کے سامنے آیا۔ یہ اسلام کے ان علوم و معارف سے آگاہ تھے، جنہیں کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔ اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کی حقیقت کو سمجھا۔

اب قاضی صاحب کے نظریہ کے مطابق وہ لوگ جو امت کے لئے چراغ و ہدایت تھے، بظاہر فاسق و جابر تھے اور جنہوں نے قرآن کی حقیقت کو براہ راست اور بلا واسطہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا۔ بقول قاضی

"ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ آیت استخلاف و آیت تمکین کا مصداق حضرت علی المرتضیٰ ہیں" رضی اللہ عنہم اجمعین اور یہی جماعت جن کے معیار حق ہونے کے متعلق امام ابوزرعہ کا قول ہے۔

اذا رأیت الرجل

جس وقت تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحا

ينتقص احداً من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعلم انه زنديق وذالك ان الرسول صلى الله عليه وسلم عندنا حق والقرآن حق - وانما ادى الينا هذا القرآن والسنن اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم - وانما يريدون ان يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة والجرح بهم اولى - وهم زنادقة۔

(الكفاية فی علم الروایہ ص ۴۹)

میں سے کسی صحابی کی تنقیص کے جرم کا ارتکاب کر رہا ہے تو یقین کر لو کہ یہ شخص بے دین ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نبی برحق ہیں اور قرآن بھی حق ہے اور ہم تک قرآن وحدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے پہنچایا ہے۔ اور یہ بے دین لوگ صحابہ کی تنقیص کرکے دین کے اولیں گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں تاکہ قرآن وسنت کو باطل گردانا جائے۔ صحابہ تو جرح کے مستحق نہیں، البتہ یہ بے دین لوگ جرح وتنقیص کے زیادہ مستحق ہیں اور یہی لوگ حقیقت میں بے دین ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب اس طرح کی مدح وثنا کے مستحق ہیں اور اس طرح کے فضائل وکمالات کے حامل ہیں۔ اب کے اختلافات کا سہارا لے کر کسی صحابی کی تنقیص کرنا قرین انصاف نہیں۔ ہمیں تو آج تک قاضی صاحب سے شرف ملاقات حاصل نہیں ہوسکا البتہ سُنا یہ ہے کہ آپ مجاہد نبیل حضرت مدنی قدس سرہٗ کے مجاز ہیں۔ ان کو چاہیئے کہ اسی نسبت کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے نشتر قلم کو اس مقدس جماعت کی جرح وتنقیص سے باز رکھیں۔

نافرمان بیٹا

جس کے بُرے سلوک سے آنکھیں ہوں اشکبار
ہرگز نہ اس خبیث کو نورِ نظر کہو!
بیٹا جو والدین کا آرام چھین لے
لختِ جگر نہیں، اُسے درمِ جگر کہو!

فیض لدھیانوی

حضرت مولانا محمد اسحق صدیقی

کراچی

اِسلامی عبادات (۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰھم لک الحمد کالذی تقول وخیرا ممّا نقول و صلّ وسلّم اللّٰھم علی خاتم الانبیاء و امام الاصفیاء محمّدن المصطفیٰ ما اختلف الدبور و القبول و انشعبت الفروع من الاصول و علیٰ اٰلہٖ و اصحابہٖ و ازواجہٖ و ذرّیّتہ الّذین نالوا رضاک و فازوا بالدّرجٰت العلیٰ من المقبول ۔

اَمّا بَعْدُ : دینِ اسلام کی عمارت ایمان و یقین کی بُنیاد پر قائم ہے اور بابِ عقائد اس کا اہم ترین حصّہ ہے جو پُورے دین کی اَساس اَور بُنیاد ہے ۔ ایمان و ایمانیات کے نام سے ایک مختصر رسالہ اس سے پہلے پیش کر چکا ہوں جو اسلام کے ضروری عقائد کے بَیان پر مشتمل ہے ۔ ایمانیات و عقائد کے بعد شعبۂ عبادات سب سے اہم ہے اس لئے فطری ترتیب کے اِعتبار سے عقائد کے بعد عبادات ہی کے بَیان کو دوسرے شعبوں پر مُقدّم ہونے کا حق ہے ۔ یہ رسالہ اسی مُوضوع پر ہے ۔

عبادت کی اہمیّت :

اِسلام کو پانچ حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جنہیں ہم اسلام کے شُعبے کہتے ہیں ۔ اوّل عقائد ، دوم عبادات ، سوم اخلاق ، چہارم معاشرت[1] ، پنجم معاملات[2] ۔

جملہ اسلامی تعلیمات انہیں پانچ شعبوں کے تحت دَاخِل ہیں ان میں سب سے اہم شعبہ عقائد ہے اس کے بعد

---

[1] ، [2] ؛ عقائد ، عبادات اور اخلاق کا مفہوم توظاہر ہے ۔ **معاشرت** سے مُراد دین کا وہ حصہ یا شعبہ ہے جسمیں تہذیبی اور ثقافتی احکام اور اعزہ و اقارب وغیرہ کے ساتھ تعلقات و رابط کا بیان ہوتا ہے ، شعبۂ **معاملات** میں انفرادی و اجتماعی اعتبار سے انسانوں کے باہمی حقوق و اختیارات اور مالی امور کے متعلق احکام و ہدایات کا بیان ہوتا ہے ۔ سیاسیات و معاشیات بھی اسی شعبہ میں داخل ہیں ۔

شعبۂ عباداتؔ کا درجہ سب شعبوں سے بلند و برتر ہیں اوراس کی اہمیّت سب سے زیادہ ہے۔ کیونکہ تخلیقِ انسانی کی حکمت اور حیاتِ انسانی کی غایت اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ۝ (اَلذَّارِيَات)۔	مَیں نے اِنسانوں اور جنّوں کو اسی لیے پیدا کیاہے کہ وُہ میری عبادت کریں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں بکثرت و تکرار اپنی عبادت کا حکم دیا ہے۔ مثلاً ارشادِ حق ہے :

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (اَلْبَقَرَہ)	لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم مُتّقی بن جاو !

اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان خالق و مخلوق کا تعلّق ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق اور ہم مخلوق ہیں۔ اِس تعلّق کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان کی عبادت کریں نیز یہ کہ عبادت سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے جو خود مطلوب اور عذابِ آخرت سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

عبادت سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کو تو مخصوص طور پر اس کا حکم دیا گیا۔ انبیاء کو مخاطب فرما کر ارشاد ہوتا ہے :

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝ (الانبیاء)	بیشک یہ تمہاری جماعت (جماعتِ انبیاء) ایک ہی جماعت ہے اور مَیں تمہارا رب ہوں، پس میری عبادت کرو۔

اِس سے ظاہر ہے کہ عبادت کس قدر اہم اور عظیم چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مُقرب ترین بندوں یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس کا حکم مخصوص طور پر فرمایا۔

عبادت کی بے قدری کرنے والوں اور اپنے نفس کو اس سے اُونچا سمجھنے والوں کو عذابِ شدید کی وعید سُنائی گئی۔ اللہ تعالیٰ شانُہٗ فرماتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِىْ سَيَدْخُلُوْنَ	بیشک جو لوگ میری عبادت سے تکبّر کرتے ہیں وُہ عنقریب ذلیل

جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ○ (المومن)	ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے۔

اِن آیات سے روزِ روشن کی رُوشن ہوجاتا ہے کہ ایمان وعقائد کے بعد اسلام میں سب سے زیادہ اہمیت عبادت ہی کی ہے۔[1]

یہ آیتیں تو ہم نے بطور نمونہ نقل کی ہیں ورنہ قرآن مُبین میں ان کے علاوہ بکثرت آیات عبادت کی اہمیت اُور اُس کے مرتبۂ عظمیٰ کو بیان کر رہے ہیں۔ علیٰ ھٰذا احادیث میں بھی یہ مضمون بکثرت و تکرار بیان فرمایا گیا ہے۔ اتنی آیات کا نقل کر دینا بھی کافی ہے۔ مزید آیات اور ان کے ساتھ احادیث نقل کرنے میں طوالت کا خطرہ ہے۔ تاہم اِس سلسلہ میں یہ بات اپنی مخصوص افادیت کی وجہ سے قابلِ ذکر ہے کہ اِسلام نے جس سیاسی نظام کی تعلیم دی ہے اُور جو نظامِ خلافت کے نام سے مشہور ہے اُس کے قیام کا حقیقی مقصد بھی اسلامی نظامِ عقائد و عبادات کا تحفظ، اس کی بقا اور اس کی اشاعت ہی ہے۔ قرآن مجید میں اس کی صراحت مَوجُود ہے۔ مندرجہ ذیل آیت پر نظر کیجئے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ○ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○ (الحج)۔	یہ لوگ (یعنی صحابہ کرامؓ) ایسے ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین پر اقتدار عطا فرمائیں تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، نیک کاموں کا حکم دیں گے اور بُرے کاموں سے منع کریں گے اُور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

صحابہ کرامؓ کی مدح و ستائش کے پیرائے میں بتا دیا گیا کہ نظامِ خلافت کا اصل مقصد عبادت کی اشاعت، ترویج اور حفاظت ہے۔ چُونکہ عبادت بغیر ایمان کے بے کار اور نامقبول ہوتی ہے اس لئے ایمان کی حفاظت و اشاعت اس کے لئے لازم ہے۔ اِسی طرح ان عقائد کی حفاظت و اشاعت بھی حکومتِ اسلامیہ کے مقاصد میں داخل ہوگی؛ جو ایمانیات میں تو داخل نہیں مگر ان میں فساد اور خلل کی وجہ سے عبادت ناقص رہتی ہے۔ اِس قسم میں وُہ عقائد داخل ہیں جن میں فساد کی وجہ سے آدمی کافر نہیں ہوجاتا مگر مسلکِ اہلِ سُنّت سے نکل جاتا ہے اُور گمراہ کہلاتا ہے۔ مثلاً کسی صحابیؓ

---

[1] چُونکہ عبادت میں اخلاص پیدا کرنے کے لئے اِصلاحِ اخلاق ضروری ہے اِس لئے اِس اعتبار سے ایمان وعقائد کے بعد اخلاق کی اہمیت عبادت سے بھی بڑھ کر ہے لیکن فی نفسہٖ عبادت کا مرتبہ بلند تر ہے۔

سے بدگمانی رکھنا مسلکِ اہلسنّت کے خلاف ہے۔ ہمارا مسلک یہ ہے کہ ہر صحابی اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے اور اُن سب اَولیاء اللہ سے افضل و برتر ہیں جو نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف نہیں ہوئے۔ حکومتِ اسلامیہ کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ صحابۂ کرامؓ کے ساتھ قوم کی عقیدت و محبت قائم رکھنے کی کوشش اور اس عقیدت کی حفاظت کرے۔ جب اِس قسم کے عقائد کی حفاظت حکومت کا فرضِ منصبی ہے اور اس کا مقصدِ وجود ہے تو ایمانیات کی حفاظت و اشاعت تو بدرجۂ اَولیٰ اس پر فرض ہوگی۔ مثلاً عقیدۂ توحید اَور عقیدۂ ختمِ نبوّت کی حفاظت و اشاعت اس کے اہم ترین فرائض میں داخل ہوگی۔

آیت کی اتنی تشریح توضمناً کردی گئی جو ضروری بھی تھی اَور مفید بھی۔ اس جگہ اصلی مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ عقائد کے بعد سیاست و معاش وغیرہ دین کے جُملہ شعبوں سے زیادہ اَہمیّت وعظمت شعبۂ عبادت کو حاصل ہے۔ یہاں تک کہ شعبۂ خلافت و حکومت کا مقصدِ وجود بھی تحفظِ عقائد اَور ترویجِ عبادت ہے۔

اِس سے آپ کو یہ معلوم ہوگیا ہوگا کہ جو شخص یہ کہے کہ نماز روزہ وغیرہ عبادات کا اصل مقصد "نظامِ خلافت" چلانے کی تربیت حاصل کرنا ہے اَور یہ اعمال خود مقصود نہیں، وُہ یقیناً غلط کہتا ہے اَور گمراہی میں مبتلا ہے۔ اس کی گمراہی آیتِ مذکورہ سے بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ اس میں اس کے برعکس نماز و زکوٰۃ وغیرہ عبادات کو قیامِ خلافت کا مقصد بتایا گیا ہے۔

فطرت اور عبادت :

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا کیوں ضروری ہے؟ یہ سوال درحقیقت پیدا ہی نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت مخلوق کی فطرت کا تقاضا ہے۔ عبدیت اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا رُجحان و مَیلان انسان کی فطرت میں موجود ہے جو کسی طرح اس سے زائل نہیں ہوسکتا۔ جس طرح کھانے پینے اَور سانس لینے کے تقاضے بالکل فطری ہیں اَور یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ کھانے پینے اور سانس لینے کی کیا ضرورت ہے؟ اِسی طرح عبادتِ الٰہی کا تقاضا بھی بالکل فطری ہے اَور یہ سوال بالکل لغو ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت کیوں کرے؟۔

بھُوک، پیاس جسمانی تقاضے ہیں ان کا احساس ہمارا جسم کرتا ہے۔ عبادت کا تقاضا رُوحانی ہے اِس لئے ہمیں اس کا احساس اور شعور نہیں ہوتا۔ جب رُوحانی حس بیدار ہوجاتی ہے تو اس کا احساس بھی اسی طرح ہونے لگتا ہے جس طرح بھوک اور پیاس کا۔ مگر غور کرنے سے یہ حقیقت خُوب روشن ہوجاتی ہے کہ عبادت بھی انسانی فطرت کا تقاضا اور اس کی روحانی غذا ہے۔

ہر آدمی اپنے والدین سے محبّت اور ان کی تعظیم و تکریم کرتا ہے اس کیلئے کسی وجہ کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی کیونکہ یہ ایک طبعی چیز اور انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ مگر غور کرنے سے اس طبعی تقاضے کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کا وجود اپنے ماں باپ کے وجود کا رہینِ منّت ہوتا ہے۔ ہر آدمی جانتا ہے کہ اگر میرے والدین نہ ہوتے تو میں بھی نہ ہوتا، بغیر والدین اولاد کا کوئی تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ اس کے ساتھ جب اسے ان کے احسانات کا علم ہوتا ہے تو اس محبت و تعظیم میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

محبت اور تعظیم والدین کے اس سبب کی طرف عام طور پر کسی کا ذہن نہیں جاتا مگر اس سے بے خبر رہنے کے باوجود آدمی کا دل ان کی طرف کھنچتا ہے اور وہ ان کی عظمت کا وزن اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔ اسی لئے اس کا قائل ہونا پڑتا ہے کہ والدین کی محبّت و تعظیم طبعی اور فطری ہے۔

اس مثال کے آئینہ میں اس حقیقت کا چہرہ بالکل صاف نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبّت اور عبادت کا جذبہ انسان کی فطرت میں داخل اور اس کا بہت اہم تقاضا ہے۔

ہمارا وجود اللہ تعالیٰ کے حکم اور انہیں کی مشیت سے ہُوا۔ والدین اور ان کے دل میں اولاد کی محبّت بھی اللہ تعالیٰ ہی کا عطیہ ہے۔ وہی سب کے خالق اور مالک ہیں۔ وُہی روزی دینے والے اور سب کی حاجتیں پُوری کرنے والے ہیں۔ جتنی نعمتیں ہمیں حاصل ہیں وُہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کا عطیہ ہیں، بغیر ان کے حکم کے کوئی چیز بھی کسی کو نہیں مل سکتی۔ واقعہ یہ ہے کہ انہیں کا احسان صحیح معنیٰ میں احسان ہے۔ اور ان کے احسانات بے شمار ہیں۔ تو کیا ہماری فطرت کا یہ تقاضا نہیں کہ ہم ربّ العزّت جلّ جلالہٗ کی عبادت کریں؟ اور ان کی محبّت کا دم بھریں۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کا تقاضائے فطرتِ انسانی ہونا ایک روشن حقیقت ہے جس کا جلوہ ہر شخص دیکھ سکتا ہے مگر غفلت کے پردے اس حقیقت کو مستور کر دیتے ہیں۔ جیسے معدے کے بعض امراض میں بھوک مر جاتی ہے اور مریض کو غذا کی خواہش نہیں ہوتی، حالانکہ غذا کی طرف میلان ایک فطری تقاضا ہے اسی طرح عبادت کا تقاضا اور اس کی خواہش معدوم ہو جانے سے اس کی ضرورت نہیں معدوم ہو جاتی۔ اور اگر عبادتِ الٰہی سے، جو رُوح کی غذا ہے، اسے محروم رکھا جائے تو رُوح بھی کمزور ہو جاتی ہے۔ جسمانی غذا سے محرومی جسم کی ہلاکت پر منتج ہو جاتی ہے تو عبادت سے محرومی رُوح کو ہلاک کر دیتی ہے۔

محبّت کے علاوہ شکر گزاری کا شریفانہ اور فطری جذبہ بھی عبادتِ الٰہی کا محرّک ہے آپ پر کوئی احسان کرے تو طبعی طور پر آپ کے دل میں احسان مندی اور شکر گزاری کی کیفیت پیدا ہوگی۔ یہ ایک شریفانہ جذبہ ہے جس سے

محروم ہونا بہت بڑا عیب سمجھا جاتا ہے۔ ناشکرگزار اور احسان فراموش آدمی ہر شخص کی نگاہ سے گر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بے پایاں احسانات پر نظر کرکے یہی شکرگزاری اور منت پذیری کی فطری کیفیت طبعی طور پر اُبھرتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جتنی بھی نعمتیں ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں اس لئے ہر شکر کے مستحق درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی ہیں ہمارے رب کریم کے احسانات اتنے ہیں اور اس قدر عظیم ہیں کہ ان کا پورا شکر ادا کرنا بندے کی طاقت سے باہر ہے۔ بندہ عبادت کرکے شکر ادا کرنے کی کوشش اور ادائے شکر سے اپنی عاجزی و درماندگی اور اپنی انتہائی پستی و بیچارگی کا اقرار و اعتراف قول و عمل سے کرتا ہے۔ یہ اسکی فطرت کا تقاضا اور اس کے حقیقی محسن و منعم یعنی اللہ تعالیٰ شانہٗ کا حق ہے۔

شکرگزاری کے فطری جذبہ کی وجہ سے رب العالمین کی عبادت کا فطری شوق و میلان بھی ہر شخص میں موجود ہوتا ہے مگر جس طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور اللہ تعالیٰ کی بے مثال عظمت کا احساس غفلت کے پردے میں چھپ جاتا ہے اور مادی خواہشوں کے غالب ہونے کی وجہ سے ظاہر نہیں ہوتا۔ اسی طرح شکرگزاری کا یہ روحانی تقاضا بھی بعض اوقات غلط خیالات و افکار اور برے عادات و خصائل کی وجہ سے کمزور اور پوشیدہ ہوجاتا ہے۔

عبادت کی حقیقت :

یہ تو معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ انسانی فطرت میں عبادتِ الٰہی کی خواہش پائی جاتی ہے۔ گذشتہ سطروں میں اس کی جو وضاحت کی گئی ہے اس سے عبادت کی حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

صرف اللہ تعالیٰ ہمارے "رَبّ" اور ہماری سب حاجتیں پوری کرنے والے ہیں۔ انہی نے ہمیں پیدا کیا اور وہی ہمیں زندہ رکھتے ہیں، وہی ہمارے خالق و مالک ہیں۔ اسی حقیقت کا ادراک ہمارے دل میں ان کی محبت و عظمت اور اُن کے شکر کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ یہی محبت اور شکر کے جذبات اِس طرح ظاہر ہوتے ہیں کہ ہم ان کی ایسے درجہ کی عظمت کا اعتراف و اظہار کرتے ہیں جس کے اوپر عظمت اور بڑائی کے کسی درجہ کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ اس عظمت پر نظر کرنے اور اس کا اعتراف کرنے کے معنٰی ہی یہ ہیں کہ ہم اس کے مقابلے اپنے لئے ایسی پستی کا اقرار کرتے ہیں جس سے نیچے پستی کا کوئی درجہ سمجھ میں نہیں آتا۔ ہم اللہ تعالیٰ کی عظمتِ لا انتہا اور اپنی انتہائی پستی کا اقرار کرتے ہیں۔ انہی دونوں حقیقتوں کو اپنے قول و عمل سے ظاہر کرنا **عبادت** کہلاتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی عظمتِ بے پایاں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی انتہائی پستی و عاجزی کا عملی و قولی اقرار و اعتراف

عبادتِ الٰہی کہلاتا ہے۔

جب بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو وہ اپنے کام سے اپنی اس دلی کیفیت اور اپنے اس ایمان و یقین کو ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی غیر محدود، بے مثال اور لا انتہا ہے۔ کائنات میں کوئی بھی ایسا نہیں اور نہ ہو سکتا ہے جو رب العالمین کی عظمت اور بڑائی کی حد معلوم کر سکے یا اس کا پورا تصور کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اُس کی عظمت بلکہ ہر صفت عقل و فہم کی رسائی اور اسکی حدود و طاقت سے باہر اور بلند ہے۔ ایسی عظیم ہستی کے سامنے، جس کی عظمت بے پایاں اور لا انتہا ہو، بندہ لامحالہ اپنی اور ساری کائنات کی ہستی کو بالکل بے حقیقت سمجھتا ہے اور اپنے عمل سے اپنے اس اعتراف و اقرار کی کیفیت کا اظہار کرتا ہے۔ اسی عمل کا نام جس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی لامحدود و بے مثال عظمت و قدرت اور اپنی پستی و عاجزی کے یقین و ایمان کی کیفیت ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔

عبادت کا طریقہ :

یہ تو واضح ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا انسان کی فطرت کا تقاضا ہے اور یہ بھی معلوم ہو چکا کہ عبادت کس چیز کا نام ہے ؟ اس کے بعد یہ خیال خود بخود سامنے آتا ہے کہ عبادتِ الٰہی کا طریقہ کیا ہے ؟ اور ہم کس طرح اپنے رب کی عبادت کریں ؟

یہ سوال اہم ہے۔ کیونکہ جس طرح دُنیا میں کسی بادشاہ کے دربار میں جانے کے طور طریقے حاضر ہونے والے نہیں مقرر کیا کرتے بلکہ خود بادشاہ مقرر کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کا طریقہ مقرر کرنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے اور صرف انہی کو اس کا حق اور اختیار ہے۔ عقل اس بارے میں عاجز ہے اور سوا اللہ تعالیٰ کے کسی کو اس کا طریقہ مقرر کرنے کا حق بھی نہیں۔ خواہ وہ انسانی عقل ہو یا اور کسی مخلوق کی عقل۔

تعلیم بذریعہ انبیاء علیہم السلام :

اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا طریقہ عام انسانوں اور جنوں کو اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعے سکھایا۔ حضرت آدم علیہ السلام پہلے نبی ہیں۔ ان کے بعد بکثرت انبیاء و مرسلین آتے رہے اور ان پر وحی ربانی نازل ہوتی رہی۔ ان میں سے بعض پر مستقل کتابیں نازل فرمائی گئیں اور بعض پر کوئی مستقل کتاب نہیں نازل ہوئی مگر وحی سب پر نازل ہوئی۔ یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ پر قرآن کریم نازل فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ اب ہر انسان اور جن پر قیامت تک

صرف قرآن کریم اور خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا طریقہ بھی ہمیں قرآن مجید اور سنتِ نبی کریم ہی سے معلوم ہوا۔

ہمیشہ کے لئے ہدایتِ اُمت کا انتظام:

نبیِ کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله و سنة رسوله (موطا امام مالک، ج: ۱، ص: ۱۹۸)	میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑتا ہوں تم جب تک ان دونوں کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہوگے تو اُس وقت تک گمراہ نہیں ہوسکتے، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا سے تشریف لے گئے تو قیامت تک اُمت کی ہدایت کے لئے دو چیزیں چھوڑ کر گئے۔ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید اور سنتِ رسول ؐ یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ آنحضورؐ کے اقوال اور اعمال، جو حدیث کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ دین کی ہر بات کا سرچشمہ یہی دونوں چیزیں ہیں۔ انہیں کو بعض روایتوں میں ثقلین، یعنی دو بھاری چیزیں بھی کہا گیا ہے۔ ان دو کے سوا کوئی چیز بھی علمِ دین کا اصل ذریعہ نہیں۔

اِن دونوں چیزوں کو منتقل کرنے والے اور اُن پر عمل کر کے اُن کی عملی تشریح فرمانے والے صحابۂ کرام رضؓ ہیں۔ اِس لئے صحابہ کے ساتھ محبت وعقیدت رکھنا لازم ہے۔ وہی ہمارے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان سب سے بڑا واسطہ ہیں۔ صحابہؓ کرام کی اتباع اور پیروی ہی سے قرآن وسنت کی پیروی ہوسکتی ہے اور انہیں کی تشریح وتفسیر کے مطابق کتاب وسنت کی پیروی قیامت تک اُمت کے لئے کافی ہے۔ ان کے علاوہ کسی چیز کی ہمیں ضرورت نہیں۔

اِس بیان سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ مسلمان ہونے کا دعوےٰ کرنے والے ایک گروہ کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ امام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُمت کی ہدایت کے لئے مقرر ہوئے، بالکل غلط اور باطل ہے۔ امام کے معنیٰ مقتدا اور پیشوا کے ہیں۔ اِس معنیٰ میں ہر صحابیؓ پوری اُمت کے امام یعنی مقتدا اور پیشوا ہیں، ان کے بعد بھی بکثرت ائمہ ہوتے رہے اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ گویا لاکھوں امام ہوچکے ہیں اور لاکھوں آئندہ ہوں گے مگر نبی کی طرح کسی کا منصبِ امامت پر اللہ کی طرف سے فائز ہونا بالکل غلط ہے۔ ان معنیٰ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمارا کوئی امام نہیں۔ امامت کا نظریہ اور بارہ امام کا عقیدہ بالکل باطل اور خالص گمراہی ہے۔

بعض حدیثوں میں قرآن مجید اور سنتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو "ثقلین" کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

قادیانی اور جمہور مسلمان°

قادیانیوں اور جمہور مسلمانوں کی نزاع نے نہایت اہم سوال پیدا کیا ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے حال ہی میں اس کی اہمیت کو محسوس کرنا شروع کیا۔ میرا ارادہ تھا کہ انگریز قوم کو ایک کھلی چٹھی کے ذریعہ اس مسئلہ کے معاشرتی اور سیاسی پہلوؤں سے آگاہ کروں۔ لیکن افسوس کہ صحت نے ساتھ نہ دیا البتہ ایک ایسے معاملہ کے متعلق جو تمام ہندی مسلمانوں کی پوری قومی زندگی سے وابستہ ہے۔ میں نہایت مسرت سے کچھ عرض کروں گا۔ لیکن میں آغاز ہی میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں کسی مذہبی بحث میں اُلجھنا نہیں چاہتا اور نہ ہی میں قادیانی تحریک کے بانی[1] کا نفسیاتی تجزیہ کرنا چاہتا ہوں۔ پہلی چیز عام مسلمانوں کے لیئے کچھ دلچسپی نہیں رکھتی اور دوسری کے لیئے ہندوستان میں ابھی وقت نہیں آیا۔

ہندوستان کی سرزمین پر بے شمار مذاہب بستے ہیں۔ اسلام دینی حیثیت سے ان تمام مذاہب کی نسبت زیادہ گہرا ہے۔ کیونکہ ان مذاہب کی بنا کچھ حد تک مذہبی ہے اور

° حضرتِ علامہ نے یہ بیان مئی ۱۹۳۵ء میں جاری کیا۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی سے استعفا کے بعد یہ بیان، حضرتِ علامہ کی طرف سے قادیانیت کے خلاف کھلا ہوا اعلانِ جنگ تھا۔ یہی وُہ بیان ہے جس نے ایوانِ قادیانیت کے دروبام کو ہلا کر رکھ دیا اور قادیانی بھتے پر پورے پنجاب میں بے بھاؤ کی پڑنے لگیں۔ اس بیان کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ اس دور کے تقریباً تمام قابلِ ذکر انگریزی اُردو اخبارات نے اسے شائع کیا اور اکثر مبصرین نے اس پر آرٹیکل لکھے (مکتوباتِ اقبال ص۲۱۲ مرتبہ سید نذیر نیازی) خود حضرتِ علامہؒ اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں "(یہ بیان) قریباً تمام انگریزی اخباروں میں شائع ہوا۔ ایسٹرن ٹائمز لاہور، ٹریبون لاہور، سٹیٹسمین دہلی، سٹار آف انڈیا کلکتہ علاوہ اس کے اُردو اخباروں میں اس کا ترجمہ بھی شائع ہوا ہے۔" (مکتوباتِ اقبال، ص۲۷۱ مرتبہ سید نذیر نیازی شائع کردہ اقبال اکادمی کراچی)

[1] مرزا غلام احمد قادیانی (۱۹۰۸ء — ۱۸۳۹-۴۰ء) سن پیدائش مرزا غلام احمد کی ۳۰×۲۰/۱۶ سائز کی خود

ایک حد تک نسلی۔ اسلام نسلی تخیل کی سراسر نفی کرتا ہے اور اپنی بنیاد محض مذہبی تخیل پر رکھتا ہے۔ اور چونکہ اس کی بنیاد صرف دینی ہے اس لیئے وُہ سراپا روحانیت ہے اور خونی رشتوں سے کہیں زیادہ لطیف بھی ہے۔ اسی لیے مسلمان اُن تحریکوں کے معاملہ میں زیادہ حساس ہے جو اُس کی وحدت کے لیئے خطرناک ہیں۔ چنانچہ ہر ایسی مذہبی جماعت جو تاریخی طور پر اسلام سے وابستہ ہو لیکن اپنی بنا نئی نبوت پر رکھے اور بزعم خود اپنے الہامات پر اعتقاد نہ رکھنے والے تمام مسلمانوں کو کافر سمجھے، مسلمان اُسے اسلام کی وحدت کے لیئے خطرہ تصور کرے گا اور یہ اس لیئے کہ اسلامی وحدت ختمِ نبوت سے ہی اُستوار ہوتی ہے۔

انسانیت کی تمدنی تاریخ میں غالباً ختمِ نبوت کا تخیل سب سے انوکھا ہے۔ اس کا صحیح اندازہ مغربی اور وسط ایشیا کے مُوبدانہ تمدن کی تاریخ کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے۔ مُوبدانہ تمدن میں زرتشتی، یہودی، نصرانی اور صابی تمام مذاہب شامل ہیں۔ ان تمام مذاہب میں نبوت کے اجراء کا تخیل نہایت لازم تھا، چنانچہ ان پر مستقل انتظار کی کیفیت رہتی تھی۔ غالباً یہ حالتِ انتظار نفسیاتی حظ کا باعث تھی۔

عہدِ جدید کا انسان رُوحانی طور پر مُوبد سے بُہت زیادہ آزاد منش ہے۔ مُوبدانہ رویہ کا نتیجہ یہ تھا کہ پُرانی جماعتیں ختم ہوتیں اور اُن کی جگہ مذہبی عیار نئی جماعتیں لا کھڑی کرتے۔ اسلام کی جدید دُنیا میں جاہل اور جوشیلے مُلّانے پریس کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے قبل اسلامی نظریات کو بیسویں صدی میں رائج کرنا چاہا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اسلام، جو تمام جماعتوں کو ایک رسّی میں پرونے کا دعویٰ رکھتا ہے۔ ایسی تحریک کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں رکھ سکتا جو اس کی موجودہ وحدت کے لیے خطرہ ہو اور مستقبل میں انسانی سوسائٹی کے لیئے مزید افتراق کا باعث بنے۔

اس سے قبل اسلامی مُوبدیت نے حال ہی میں جن دو صورتوں میں جنم لیا ہے میرے نزدیک اُن میں بہائیت، قادیانیت سے کہیں زیادہ مخلص ہے کیونکہ وُہ کھلے طور پر اسلام سے باغی ہے لیکن مؤخر الذکر اسلام کی چند نہایت اہم صورتوں کو ظاہری

نوشت سوانح حیات' کے ص۲۱ سے اخذ کیا گیا ہے۔

طور پر قائم رکھتی ہے[1] لیکن باطنی طور پر اسلام کی رُوح اور مقاصد کے لیئے مُہلک ہے۔ اس کا ماسد خدا کا تصور کہ جس کے پاس دُشمنوں کے لیئے لاتعداد زلزلے اور بیماریاں ہوں، اس کا نبی کے متعلق نجومی کا تخیل اور اس کا روحِ مسیح کے تسلسل کا عقیدہ وغیرہ۔ یہ تمام چیزیں اپنے اندر یہودیت کے اتنے عناصر رکھتی ہیں گویا یہ تحریک ہی یہودیت کی طرف رجُوع ہے رُوحِ مسیح کا تسلسُل یہودی باطنیت کا جزو ہے۔ پولی مسیح بال شیم Beal Shem کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر بوبر Buber کہتا ہے کہ مسیح کی رُوح جو پیغمبروں اور صالح آدمیوں کے واسطے سے زمین پر اُتری' اسلامی ایران میں مُوبدانہ اثر کے ماتحت مُلحدانہ تحریکیں اُٹھیں اور اُنہوں نے بروز، حلُول اور ظِلّ وغیرہ اصطلاحات وضع کیں تاکہ تناسُخ کے اس تصور کو چُھپا سکیں۔ ان اصطلاحات کا وضع کرنا اس لیئے لازم تھا کہ وُہ مُسلم قلوب کو ناگوار نہ گزریں۔ حتیٰ کہ مسیح موعود کی اصطلاح بھی اسلامی نہیں، بلکہ اجنبی ہے اور اس کا آغاز بھی اسی مُوبدانہ تصور میں ملتا ہے۔ یہ اصطلاح ہمیں اسلام کے دورِ اوّل کی تاریخ اور مذہبی ادب میں نہیں ملتی۔ اس حیرت انگیز واقعہ کو پروفیسر ونسنک Wensinck نے اپنی کتاب موسُومہ 'احادیث میں ربط' میں نُمایاں کیا ہے۔ یہ کتاب احادیث کے گیارہ مجموعوں اور اسلام کے تین اوّلین تاریخی شواہد پر حادی ہے۔ اور یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ اسلاف نے اس اصطلاح کو کیوں استعمال نہیں کیا؟ یہ اصطلاح اُنہیں غالباً اس لیئے ناگوار تھی کہ اس سے تاریخی عمل کا غلط نظریہ قائم ہوتا تھا۔ مغاکی ذہن وقت کو مُدوّر حرکت تصور کرتا تھا۔ صحیح تاریخی عمل کو بحیثیت ایک تخلیقی حرکت کے ظاہر کرنے کی سعادت عظیم مسلمان مفکر اور مؤرخ یعنی

---

[1] ایسا صرف اس لیئے ہے کہ شکر چڑھا زہر Sugar coated pills مُسلمان آسانی کے ساتھ نگل سکیں۔ یہ بالکل وہی تکنیک ہے جو بقول حضرتِ علاّمہ مُوبدانہ اثر کی بدولت ایران میں پیدا ہونے والی مُلحدانہ تحریکوں نے اختیار کی۔ انہوں نے بھی یہودیوں کے عقیدہ تناسُخ کو مشرّف باسلام کرنے کے لیئے اس کو بروز، حلُول اور ظِلّ وغیرہ کا نام دیا اور ان اصطلاحات کا وضع کرنا اس لیئے لازم تھا کہ وُہ مُسلم قلوب کو ناگوار نہ گزریں۔

ابنِ خلدون کے حصہ میں تھی۔

ہندی مسلمانوں نے قادیانی تحریک کے خلاف جس شدتِ احساس کا ثبوت دیا ہے وُہ جدید اجتماعیات کے طالبِ علم پر واضح ہے۔ عام مسلمان جسے پچھلے دِن "سول اینڈ ملٹری گزٹ" میں ایک صاحب نے "مُلّا زدہ" کا خطاب دیا تھا، اس تحریک کے مقابلہ میں حفظِ نفس کا ثبوت دے رہا ہے۔ اگرچہ اسے ختمِ نبوّت کے عقیدہ کی پوری سمجھ نہیں۔ نام نہاد تعلیم یافتہ مسلمانوں نے ختمِ نبوت کے تمدنی پہلوُ پر کبھی غور نہیں کیا اور مغربیت کی ہوا نے انہیں حفظِ نفس کے جذبہ سے بھی عاری کر دیا ہے۔ بعض ایسے ہی نام نہاد تعلیم یافتہ مسلمانوں نے اپنے مسلمان بھائیوں کو رواداری کا مشورہ دیا ہے۔ اگر سر ہربرٹ ایمرسن[1] مسلمانوں کو رواداری کا مشورہ دیں تو میں انہیں معذور سمجھتا ہوں کیونکہ موجودہ زمانے کے فرنگی کے لیے جس نے بالکل مختلف تمدن، میں پرورش پائی ہو اس کے لیے اتنی گہری نظر پیدا کرنی دُشوار ہے کہ وُہ ایک مختلف تمدن' رکھنے والی جماعت کے اہم مسائل کو سمجھ سکے۔

ہندوستان میں حالات بہت غیر معمولی ہیں۔ اس ملک کی بے شمار مذہبی جماعتوں کی بقا' اپنے استحکام کے ساتھ وابستہ ہے۔ کیونکہ جو مغربی قوم یہاں حکمران ہے، اُس کے لیئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ مذہب کے معاملہ میں عدم مداخلت سے کام لے۔ اس پالیسی نے ہندوستان ایسے ملک پر بدقسمتی سے بہت بُرا اثر ڈالا ہے۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے یہ مبالغہ نہ ہوگا کہ مسلم جماعت کا استحکام اس سے کہیں کم ہے جتنا حضرت مسیح (علیہ السلام) کے زمانہ میں یہودی جماعت کا رومن کے ماتحت تھا۔ ہندوستان میں کوئی مذہبی سٹے باز اپنی اغراض کی خاطر ایک نئی جماعت کھڑی کر سکتا ہے اور یہ لبرل حکومت اصل جماعت کی وحدت کی ذرہ بھر پروا نہیں کرتی بشرطیکہ یہ مدعی اُسے اپنی اطاعت اور وفاداری کا یقین دِلا دے اور اس کے پیرو حکومت کے محصول ادا کرتے رہیں۔ اسلام کے حق میں اس پالیسی کا مطلب ہمارے شاعرِ عظیم اکبر نے اچھی طرح بھانپ لیا تھا، جب اُس نے اپنے مزاحیہ

---

[1] تب گورنر پنجاب

اندازمیں کہا ؎

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ
انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

میں قدامت پسند ہندوؤں کے اس مطالبہ کے لیئے پوری ہمدردی رکھتا ہوں جو انہوں نے نئے دستور میں مذہبی مصلحین کے خلاف پیش کیا ہے[1]۔ یقیناً یہ مطالبہ سلمانوں کی طرف سے پہلے پیش ہونا چاہیئے تھا۔ جو ہندوؤں کے برعکس اپنے اجتماعی نظام میں نسلی تخیل کو دخل نہیں دیتے۔ حکومت کو موجودہ صورتِ حال پر غور کرنا چاہیئے۔ اور اس معاملہ میں جو قومی وحدت کے لیئے اشد اہم ہے، عام مسلمانوں کی ذہنیت کا اندازہ لگانا چاہیئے۔ اگر کسی قوم کی وحدت خطرے میں ہو تو اُس کے لیئے اس کے سوا چارہ کار نہیں رہتا کہ وُہ معاندانہ قوتوں کے خلاف مدافعت کرے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مدافعت کا کیا طریقہ ہے؟ اور وُہ طریقہ یہی ہے کہ اصل جماعت جس شخص کو تَلَعُّب بِالدِّین کرتے پائے اُس کے دعاوی کو تحریر و تقریر کے ذریعہ جُھٹلایا جائے پھر کیا یہ مناسب کہ اصل جماعت کو رواداری کی تلقین کی جائے حالانکہ اُس کی وحدت خطرہ میں ہو اور باغی گروہ کو تبلیغ کی پُوری اجازت ہو اگرچہ وُہ تبلیغ اور دُشنام سے لبریز ہو[2]۔

اگر کوئی گروہ، جو اصل جماعت کے نقطۂ نظر سے باغی ہے، حکومت کے لیئے مفید ہے تو حکومت اُس کی خدمات کا صلہ دینے کی پُوری طرح مجاز ہے۔ دوسری جماعتوں کو اس سے کوئی شکایت پیدا نہیں ہو سکتی، لیکن یہ توقع رکھنی بیکار ہے کہ خود جماعت ایسی قوتوں کو نظر انداز کر دے جو اُس کے اجتماعی وجود کے لیئے خطرہ ہیں۔ اس مقام پر یہ دُہرانے کی غالباً

---

[1] ہندوؤں کو بھی اپنی وحدت کی بقار کے تحفظ کا مسئلہ درپیش تھا۔

[2] قرائن سے معلوم ہوتا ہے اس مقام پر حضرتِ علامہ اُن پابندیوں کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں جو اُس وقت کی انگریزی حکومت نے قادیانیوں کی مخالفت کرنے پر مولانا ظفر علی خان، اُن کے اخبار زمیندار، اور جماعتِ احرار پر عائد کر دی تھیں۔

ضرورت نہیں کہ مسلمانوں کے بیشمار فرقوں کے مذہبی تنازعوں کا اُن بنیادی مسائل پر کچھ اثر نہیں پڑتا جن مسائل پر سب فرقے متفق ہیں۔ اگرچہ وُہ ایک دوسرے پر الحاد کے فتوے ہی دیتے ہوں۔

ایک اور چیز بھی حکومت کی خاص توجہ کی محتاج ہے۔ ہندوستان میں مذہبی مدعیوں کی کی حوصلہ افزائی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ مذہب سے بالعموم بیزار ہونے لگتے ہیں اور بالآخر مذہب کے اہم عُنصر کو اپنی زندگی سے علیحدہ کر دیتے ہیں۔ ہندوستانی دماغ ایسی صُورت میں مذہب کی جگہ کوئی اور بدل پیدا کرے گا، جس کی شکل روس کی دُہری مادیت سے ملتی جُلتی ہوگی۔ لیکن پنجابی مسلمانوں کی پریشانی کا باعث محض مذہبی سوال نہیں ہے۔ کچھ جھگڑے سیاسی بھی ہیں، جن کی طرف سر ہربرٹ ایمرسن نے انجمن حمایت اسلام کے سالانہ اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے اشارہ کیا ہے۔ یہ اگرچہ خالص سیاسی جھگڑے ہیں لیکن ان کی اہمیت بھی مذہبی سوال سے کسی طرح کم نہیں۔ جہاں مجھے حکومت کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ اُسے پنجابی مسلمانوں کی وحدت کا احساس ہے وہاں میں حکومت کو احتساب خویش کا مشورہ بھی دوں گا۔ میں پُوچھنا چاہتا ہوں کہ شہری اور دیہاتی مسلمان کی تمیز کے لیئے کون ذمہ دار ہے؟ جس کی بدولت مسلمان جماعت دو گروہوں میں تقسیم ہوگئی ہے۔ اور دیہاتی حصّہ خود بہت سے گروہوں میں بٹ گیا ہے جو ہردم آپس میں برسرِ پیکار رہتے ہیں؟

سر ہربرٹ ایمرسن پنجابی مسلمانوں کی صحیح قیادت کی عدم موجودگی کا گلہ کرتے ہیں۔ اے کاش! وُہ سمجھ سکتے کہ حکومت کی اس شہری دیہاتی تمیز نے، جسے وُہ خود غرض سیاسی حیلہ بازوں کے ذریعہ برقرار رکھتی ہے، جماعت کو ناقابل بنا دیا ہے کہ وُہ صحیح رہنما پیدا کر سکے میرے خیال میں اس حربہ کا استعمال ہی اس غرض سے کیا گیا ہے تاکہ کوئی صحیح رہنما پیدا نہ ہوسکے۔ سر ہربرٹ ایمرسن صحیح رہنما کی عدم موجودگی کا رونا روتے ہیں اور میں اس نظام کا رونا روتا ہوں، جس نے ایسے رہنما کی پیدائش کو ناممکن بنا دیا ہے[1]۔

---

[1] حرفِ اقبال، صفحہ ۱۰۹ تا ۱۱۳ مرتبہ لطیف احمد شروانی، ایم۔ اے

ضمیمہ°

مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرے بیان سے بعض حلقوں میں غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں اور یہ خیال کیا جا رہا ہے کہ میں نے حکومت کو یہ دقیق مشورہ دیا ہے کہ وُہ قادیانی تحریک کا بہ جبر انسداد کر دے۔ میرا یہ مُدعا ہرگز نہ تھا۔ میں نے اس امر کی وضاحت کر دی تھی کہ مذہب میں عدم مداخلت کی پالیسی ہی ایک ایسا طریقہ ہے جسے ہندوستان کی موجودہ حکمران قوم اختیار کر سکتی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی پالیسی ممکن ہی نہیں۔ البتہ مجھے یہ احساس ضرور ہے کہ یہ پالیسی مذہبی جماعتوں کے فوائد کے خلاف ہے۔ اگرچہ اس سے بچنے کی راہ کوئی نہیں جنہیں خطرہ محسوس ہو، اُنہیں خود اپنی حفاظت کرنی پڑے گی۔

میری رائے میں حکومت کے لیے بہترین طریق کار یہ ہو گا کہ وُہ قادیانیوں کو ایک الگ جماعت تسلیم کرلے۔ یہ قادیانیوں کی پالیسی کے عین مطابق ہو گا اور مسلمان ان سے ویسی رواداری سے کام لے گا، جیسے وُہ باقی مذاہب کے معاملہ میں اختیار کرتا ہے۔[1]

° جب حضرت علامہؒ کا بیان "قادیانی اور جمہور مسلمان" اخبارات میں شائع ہوا تو بعض لوگ اس سے یہ سمجھے کہ شاید حضرتِ علامہ نے حکومت کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ قادیانی جماعت کو بہ جبر ختم کر دے، اس پر علامہ مرحوم نے مذکورہ وضاحت فرمائی۔

[1] "حرفِ اقبال" ص۱۱۹، مرتبہ لطیف احمد شروانی، ایم۔ اے

پروفیسر خالد شبیر احمد:

علامہ اقبال اور جمہوریت

انگریزوں کے ۹۰ سالہ دورِ غلامی میں قدرت کی رحمتیں اور برکتیں یوں ہمارے شاملِ حال رہیں کہ ہمارے درمیان عظیم شخصیتیں پیدا ہوئیں جن کے کارناموں سے ہمارے دَور کی تاریخ جگمگا اُٹھتی ہے۔ اُن کے کام کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انگریز جیسی قوت ہندوستان جیسے عظیم ملک کو ۹۰ برس سے زیادہ غلام نہ رکھ سکی اور بالآخر انہیں ہندوستان آزاد کر کے یہاں سے رختِ سفر باندھنا پڑا۔ ہندوستان کی ان عظیم شخصیتوں میں جو مقام علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہے وہ بہت کم زعماء کے حصّے میں آیا ہے۔ علامہ اقبال نے جہاں اپنے دَور میں مسلمانوں کو درسِ حُرّیت دے کر آزادی کی راہوں کو ہموار کیا۔ وہاں دوسری طرف اُن کے فکر کا عظیم ورثہ آج بھی ہمارے درمیان موجود ہے جس سے قیامت تک کے مسلمان استفادہ کرتے رہیں گے۔ علامہ اقبال کے اس فکر کو ہم بلاشبہ اسلامی فکر کہہ سکتے ہیں کیونکہ علامہ اقبال کے فکر کی اساس قرآن پاک ہے۔ جدید دَور میں عالمِ اسلام کے تمام مسلم فلاسفروں میں علامہ اقبال قرآن فہمی کے میدان میں ایک بلند اور منفرد مقام پر فائز ہیں کیونکہ علامہ اقبال نے جس قدر ڈوب کر قرآن کا مطالعہ کیا ہے اور قرآن پر جس قدر گہری اور عمیق نظر آپ کی ہے جدید تعلیم یافتہ طبقے میں شاید اس کی دوسری مثال آپ کو ڈھونڈنے سے بھی نہ مل سکے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال یہ راز پاگئے کہ اس دَور کے مسلمان قرآنِ پاک کو پسِ پشت ڈال کر عظمت و وقار کے بلند مقام سے قعرِ مذلت میں گر چکے ہیں اور اب انہیں دوبارہ کھوئے ہوئے مقام تک لے جانے کے لئے قرآنی تعلیمات اور قرآنی پیغامات کو عام کرنا ہے۔ اقبال کا پورا کلام قرآنِ کریم کی روشنی میں قرآنی آیات کو سامنے رکھ کر کہا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک کلامِ اقبال کی اہمیت اسی لئے ہے کہ اس کی بنیاد فرمانِ الٰہی پر ہے جس کے ذریعے علامہ اقبالؒ ملتِ اسلامیہ کے کھوئے ہوئے وقار کو بحال کرنا چاہتے تھے ورنہ شاعری اُن کے ہاں مقصد ہرگز نہیں بلکہ حصولِ مقصد کا ذریعہ ہے۔

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

علامہ اقبال نے نثر و نظم میں زندگی کے ہر پہلو سے تعلق رکھنے والے مسائل پر اپنے مخصوص انداز میں روشنی ڈالی چونکہ انسانی زندگی میں سیاسی مسائل بھی کم اہمیت نہیں رکھتے اس لئے انہوں نے سیاسی مسائل پر بھی بات کی ہے۔ سیاسی مسائل پر بھی قلم اُٹھاتے ہوئے اُنہوں نے قرآنِ پاک کو سامنے رکھا۔ کاش ہم ان کے فکر کو سمجھ کر اُس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے تو اس وقت تک ہمارے مسائل حل ہو چکے ہوتے۔

علامہ اقبال حرکت اور عمل کے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری میں حرکت اور عمل کا عنصر وافر موجود ہے لیکن ہماری بدبختی ملاحظہ ہو کہ حرکت اور عمل کے میدان میں ہی ہم پھسڈی ثابت ہوئے ہیں۔ اقبالؒ کے ہاں یقینِ محکم خود عمل کا نام ہے وہ اس حقیقت کو بے یقینی قرار دیتے ہیں جو علم کی حدود سے باہر ہے۔

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں روحِ عمل کا حساب

اقبال کے سیاسی نظریات پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اقبال کے ہاں ایسا نظمِ حکومت انسانی فلاح و بہبود کے لئے انتہائی مہلک ہے جس کی بنیاد بندے اور خدا کے تعلق سے ہٹ کر دین و سیاست کی جُدائی پر ہو۔ اسلامی تہذیب کی جتنی بھی تباہ کاریاں صفحۂ تاریخ پر محفوظ ہیں، اقبال کے نزدیک اس کی فقط ایک اور ایک ہی وجہ ہے اور وہ ہے بندوں کی بندوں پر حکومت کا چسکا اور اسی چسکا ہی سے منفی سیاست کے برگ و بار پیدا ہوتے ہیں جو بالآخر شر و فساد کے تناور درخت بن جاتے ہیں۔ اقبال چونکہ اسلام کا ترجمان ہے اس لئے اس کے خیالات و احساسات اس کے نظریات اور اس کی تعلیمات کی بنیاد دینِ اسلام ہے اور لادین سیاست کا ان کے ہاں کوئی جواز نہیں ہے۔

ہوئی دین و دنیا میں جس دم جُدائی
ہوس کی امیری، ہوس کی وزیری

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے

جلالِ بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشہ ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اقبال کے ہاں حکومت میں شرکت کی پہلی شرط اعمال صالح ہیں۔ جب تک عمل صالح نہیں کرو گے حکومت اور مرتبے میں شامل نہیں کئے جاؤ گے خود قرآن پاک اس بات کی تلقین کرتا ہے۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ ۝	اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو حاکم بنانے کا وعدہ کر لیا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کئے۔ جس طرح ان کے اگلوں کو اس نے حاکم بنایا۔

دوسری جگہ یوں ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۝	بے شک زمین صالح لوگوں کی میراث ہے۔

اقبال کے ہاں جمہوریت اس لئے قابلِ مذمت ہے کہ اس میں نیک و بد میں اسلامی تعلیمات کے مطابق کوئی حدِ فاصل موجود نہیں ہے۔ ہر انسان حکومت میں شریک ہے اور ہر فرد کا حکومت میں حصہ ہے اگر وہ اکثریت کو اپنے ساتھ ملا لے تو حکومت کے اعلیٰ مراتب تک پہنچ سکتا ہے۔ جمہوریت میں جو اہمیت اکثریت کو حاصل ہے۔ اسلام میں وہی اہمیت تقویٰ اور پرہیزگاری کو حاصل ہے۔ اسلام میں حکومت کرنے کے لئے دو اوصاف کا ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ تقویٰ اور اہلیت لیکن جمہوریت میں اکثریت کافی ہے۔ "روسو" منتہائے عوام کی بات کرتا ہے جس میں نیکی، کردار، اخلاق اہلیت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اقبال روسو کے برعکس اسلامی تعلیمات کی روشنی میں نیکی اور تقویٰ کا مبلغ ہے۔ اقبال کے ہاں حکومت میں شمولیت کے لئے جوشِ کردار اور جذبۂ عمل ضروری ہے کیونکہ جوشِ کردار اور عمل انسان کو خدا کے قریب لے جاتا ہے۔

جوشِ کردار سے کھل جاتے ہیں تقدیر کے راز	راز ہے راز ہے تقدیر جہانِ تگ و دَو
کوہ الوند ہوا جس کی حرارت سے گداز	جوشِ کردار سے شمشیرِ سکندر کا طلوع
جوشِ کردار سے بنتی ہے خدا کی آواز	صفِ جنگاہ میں مردانِ خدا کی تکبیر

اقبال کے ہاں کردار کی عظمت حاصل کرنے کے بعد آدمی کا ہر عمل اور ہر فعل خدا کا فعل قرار پایا ہے اور جب یہ قوت پیدا ہو جاتی ہے تو پھر انسان کا متقی اور صالح ہونا آسان و سہل ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص ہی حکومت میں حصہ لینے یا حکومت کرنے کا حق دار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے قرآن پاک میں

فرماتے ہیں۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ	جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں موجود ہے وہ سب
وَمَا فِي الْأَرْضِ	تمہارے تابع فرمان ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جمہوری نظامِ حکومت کے برعکس اسلام میں حکومت کا حق صرف اعلیٰ کردار واوصاف کے نیک اور متقی لوگوں کو کیوں ہے؟ غیر متقی لوگ حقِ حکومت سے محروم کیوں قرار دیئے گئے ہیں؟ اس بات کو سمجھنے کیلئے اسلام کے تصورِ اقتدارِ اعلیٰ کو سمجھنے کی ضرورت ہے جس کے تحت حکومت کا حق صرف خدا کے لئے مخصوص ہے جو اس ساری کائنات کا خالق ہے۔ اُسی خالق نے انسانوں کے لئے زندگی بسر کرنے کے لئے کچھ ضابطے، قاعدے اور قانون بنا دیئے ہیں جن پر وہی حکمران عمل کروا سکتا ہے جسے اُن ضابطوں پر یقین ہو اور جو خود اپنی زندگی میں ان ضابطوں کی تعمیل کرتا ہو۔ خدا کی حکمرانی پر قرآن پاک میں بیسیوں آیاتِ مقدسہ موجود ہیں مثلاً:

لَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ	حکومت میں خدا کا کوئی شریک نہیں
إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ	کسی کا حکم نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے۔
لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ	قوت نہیں ہے مگر من جانب اللہ
فتعلى الله الملك الحق	بزرگ تر ہے اللہ تمہارا رب، ملک اسی کا ہے
أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ	کیا اللہ تعالیٰ بہترین حاکم نہیں ہے۔

علامہ اقبال نے ان آیاتِ قرآنی کا ترجمہ اس طرح کیا ہے ؎

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے بس وہی باقی بتانِ آذری

ان آیاتِ قرآنی سے واضح ہوتا ہے کہ حکمرانی کے حق میں اللہ کے سوا کوئی دوسرا شریک نہیں جس نے پیدا کیا ہے وہی بہتر جانتا ہے کہ انسان پر کون سے قانون کے تحت حکومت کی جا سکتی ہے کس بات میں انسان کا فائدہ مضمر ہے اور کس بات میں نقصان پوشیدہ ہے فقط اللہ تعالیٰ کی ہستی اس لائق ہے کہ اُسے انسانی فکر و عمل کا رہنما قرار دیا جائے تاکہ بندے بندوں کی غلامی سے نجات حاصل کر کے اللہ کی غلامی میں آجائیں اور یوں بنی نوعِ انسان ہر طرح کے انسانی تصرف و استیصال سے نجات پا سکے۔ اس لئے اسلام میں حکمرانی کے لئے صرف وہی افراد مخصوص ہیں جن میں وہ تمام اوصاف موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پسند فرمائے ہیں۔ علامہ اقبال اس بنیادی بات

کو اپنی تحریر میں اس طرح بیان کرتے ہیں :

" اسلام بحیثیت نظامِ سیاست کے، اصولِ توحید کو انسانوں کی جذباتی اور ذہنی زندگی میں ایک زندہ عنصر بنانے کا عملی طریقہ ہے اس کا مطالبۂ وفاداری صرف خدا کے لئے ہے نہ کہ تخت و تاج کے لئے اور چونکہ ذاتِ باری تمام روحانی اساس سے عبارت ہے اس لئے اس کی اطاعت کیشی کا درحقیقت یہ مطلب ہے کہ انسان خود اپنی معیاری فطرت (اعلیٰ اوصاف) کی اطاعت کیشی کرتا ہے۔" (تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ)

اقبال کے ہاں محض عوام کی حکومت خواہ وہ عوام کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو کوئی کشش نہیں رکھتی کیونکہ عوام معیارِ حق نہیں، عوام غلط فیصلے بھی کر سکتے ہیں اور غلط راہوں پر چل کر ملک و ملت کو نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں، عوام کی حکومت میں پھر حکمرانوں کے لئے معیارِ حق عوام کی خوشنودی کو قرار دیا جاتا ہے۔ حکمرانوں کا فرض ہے کہ وہ عوام کی خوشنودی کی خاطر کام کریں لیکن عوام کی خوشنودی اگر خدانخواستہ خدا کی خوشنودی کے ساتھ ٹکراتی ہو تو پھر جمہوریت میں اس کا کوئی علاج نہیں ہے جب کہ اسلام میں مومن کی زندگی کا ماحصل اور مقصدِ حیات فقط خوشنودیٔ خدا ہے۔ اسلامی حکومت میں خود حکومت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے لئے ایسا ماحول مہیا کرے جس میں وہ بآسانی اللہ کی خوشنودی کے لئے کام کر سکیں۔ چنانچہ اسلام کے نزدیک اسلامی حکومت اور مسلمان دونوں کا فرض ہے کہ وہ ہر کام اللہ کی خوشنودی کے لئے کریں۔ اسلام میں فرد اور ریاست دونوں اللہ کی رضا کے لئے ہیں جب کہ جمہوریت میں ریاست افراد کے لئے اور اشتراکیت میں افراد ریاست کے لئے ہیں۔ اسلام ان دونوں نظریات کے درمیان ایک تیسرا نظریہ پیش کرتا ہے جس سے ہر دو انتہا پسند نظریات کی نفی ہو جاتی ہے۔ اور اس طرح تیسری معتدل صورت سامنے آتی ہے جس پر ہم عمل کر کے اللہ کی رضا بھی حاصل کر سکتے ہیں اور حکومتی معاملات کو بھی احسن طور پر سرانجام دے سکتے ہیں۔ ان معروضات کی روشنی میں ہم حکومتِ الٰہیہ کی تعریف اس طرح کر سکتے ہیں۔

" حکومتِ الٰہیہ سے مراد اللہ کی حکومت، اللہ کے نیک بندوں کے ذریعے، اللہ کی رضا کے لئے۔"

تاریخِ انسانیت کو سامنے رکھ کر دیکھئے تو یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ جب بھی کسی نظامِ حکومت میں خدا کی خوشنودی کو فراموش کیا گیا تو نتیجہ بنی نوعِ انسان کے لئے مہلک ثابت ہوا۔ اس کے برعکس جب بھی خدا کی خوشنودی کے لئے کام ہوا تو انسانیت کو بھی آسودگی اور راحت حاصل ہوئی اور اس کے ساتھ ساتھ خدا کی رضا بھی

حاصل ہوئی۔

علامہ اقبال نے ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک یورپ میں قیام پذیر ہو کر خود ملاحظہ فرمایا کہ عوام پر عوام کی حکومت کا اطلاق کس طرح اور کتنی شدت کے ساتھ ہو رہا ہے۔ جمہوری نظام بظاہر عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے عوام پر ہے لیکن حقیقت میں یہ نظام مخصوص افراد کے ہاتھ میں ہے جو معاشی اور سیاست کے سارے وسائل پر چھائے ہوئے ہیں، عوام کو بے چارگی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ علامہ اقبال پر واضح ہو گیا کہ بظاہر اقتدار کے مالک عوام ہیں لیکن بباطن اقتدار اعلیٰ ایک مخصوص سرمایہ دار جماعت کے ہاتھ ہے جس کے اشاروں پر سارا ملک ناچتا ہے اور پھر ایسی حکومت کے ہاں صداقت، صلاحیت، لیاقت کو اتنی اہمیت نہیں جتنی آراء کی کثرت کو حاصل ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

علامہ اقبال کی مشہور نظم "خضرِ راہ" بھی جدید دور کے اس جمہوری نظام کو پیشِ نظر رکھ کر لکھی گئی۔ غالباً یہ نظم اقبال نے ۱۹۲۱ء میں کہی، جب پہلی جنگِ عظیم کے خاتمے کے بعد دوبارہ امن و سلامتی کی راہیں تلاش کی جا رہی تھیں لیکن ایسے حالات میں جب کہ مغرب کے اہلِ دانش جمہوریت کے ہاتھوں انسانی معاشرے کی دھجیاں بکھیر چکے تھے اور اسلامی ممالک خصوصاً تباہی و بربادی کا نشانہ بنائے گئے تھے خلافت کے نام پر جو برائے نام اتحاد مسلمانوں کے درمیان تھا اُسے بھی ختم کیا جا رہا تھا۔ انسانوں اور خصوصاً مسلمانوں کی اس تباہی و بربادی نے علامہ اقبال کے قلب و جگر میں آگ لگا دی اور وہ ذہنی کرب و اضطراب میں مبتلا ہو کر خضر سے سوال کرتے ہیں ؎

زندگی کا راز کیا ہے سلطنت کیا چیز ہے
اور سرمایہ و محنت میں ہے یہ کیا خروش

جواب ملتا ہے۔

آ بتاؤں تجھ کو رمزِ آیۂ انّ الملوک — سلطنت اقوامِ غالب کی ہے اک جادوگری
خواب سے بیدار ہوتا ہے کبھی محکوم گر — پھر سُلا دیتی ہے اُس کو حکمراں کی ساحری
جادوئے محمود کی تاثیر سے چشمِ ایاز — دیکھتی ہے حلقۂ گردن میں سازِ دلبری
ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام — جس کے پردے میں نہیں غیر از نوائے قیصری

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری

گرمیٔ گفتار اعضائے مجالس الاماں
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری

اس سراب رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ! اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

ان اشعار میں معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کے ہاں جمہوریت کیا تماشہ ہے؟ کس طرح جمہوری نظام میں نوائے قیصری موجود ہے؟ اور دیو استبداد نے اس قبا میں کس طرح اپنے آپ کو چھپا رکھا ہے؟ نظم سے یہ تاثر بھی ملتا ہے کہ اقبال جمہوریت کو اس لئے بھی نظام باطل قرار دیتے ہیں کہ یہ نظام نظام سرمایہ داری کو بنیادیں فراہم کرتا ہے جس میں غریب مزدور پیشہ افراد کے لئے ترقی اور فلاح و بہبود کا کوئی امکان نہیں۔ بزعم خویش سیاسی مساوات کے یہ علمبردار نہیں جانتے کہ معاشی مساوات کے بغیر سیاسی مساوات کی کیا حیثیت ہے۔ جس معاشرے میں امیر اور غریب کے درمیان اتنا تفاوت موجود ہو کہ ایک کے گھر میں گھی کے چراغ جل رہے ہوں مگر دوسرا مٹی کے چراغ سے محروم ہو۔ ایک کے کتے اطلس و کمخواب میں سوتے ہوں تو دوسرے کی جوان بیٹی کا تن ڈھانپنے کو کپڑا دستیاب نہ ہو ایسے معاشرے میں غریب عوام کے مسائل کا حل تلاش کرنا ممکن ہی نہیں جس نظام حکومت میں غربا انصاف اور آسودہ زندگی کو ترس جائیں وہ نظام اسلامی نظام کی صورت کیسے اختیار کر سکتا ہے ایسا نظام اقبال کے ہاں شدید مذمت کا مستحق ہے اقبال ایسے نظام کو ہی نظام سرمایہ داری کہتا ہے جس کی کوکھ سے ایسی تہذیب جنم لیتی ہے جو قلب و نظر کی حیا سے لے کر ضمیر و روح کی پاکیزگی تک کو متاثر کرتی ہے جس تہذیب کے دامن میں خیر و برکت کی بجائے شر و فساد ہے جس تہذیب نے نہ ماضی میں انسان کو سکون مہیا کیا اور نہ مستقبل میں اس کی توقع ہے، فرماتے ہیں ؎

فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف

رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک و خیال بلند و ذوق لطیف

تہذیب حاضر کے بارے میں دوسری جگہ علامہ اقبال ارشاد فرماتے ہیں:

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

وہ حکمت ناز تھا جس پر خردمندان مغرب کو
ہوس کے پنجۂ خونیں میں تیغ کارزاری ہے

تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے

اقبال کو یورپ کی کسی چیز سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ یورپ کی حکمت سے لے کر حکومت تک ہر بات پر اقبال کو شدید اعتراض ہے کیونکہ اس مادہ پرست ذہنیت کا دین اور روح کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ہر وہ چیز جو انسان کو دین سے دُور لے جاتی ہے۔ خدا اور بندے کے درمیان فاصلہ پیدا کرتی ہے اقبال کے ہاں قابلِ مذمت ہے اور چونکہ جمہوریت میں یہ تمام قباحتیں موجود ہیں اس لئے اقبال جمہوری طرزِ حکومت کو پسند نہیں کرتے بلکہ اسلامی جذبے کے تحت اسے تنقید کا نشانہ بنا کر مسلمانوں کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ جس چیز میں دین نہ ہو وہ قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ جس معاشرے میں بیکاری، مے خوری، عیاری، عریانی، فحاشی موجود ہوں وہاں بھلا ایسی فضا کیسے پیدا ہو سکتی ہے جس میں مہر، محبت، وفا، احسان، مروت، تعاون، اطاعت، شفقت جیسے اوصاف پرورش پا سکیں جن پر اسلامی نظامِ معاشرت کی بنیاد ہے جس سے انسانیت نکھرتی ہے اور روح سنورتی ہے اگر معاشرہ ان اوصافِ حمیدہ سے متصف نہیں تو پھر علم و ہنر کی روشنی خواہ کتنی ہی تیز ہو عقل و فکر اور جذب و عشق کی بات بنتی نظر نہیں آتی۔ اقبال یورپی معاشرے پر یوں تنقید کرتے ہیں۔ ؎

یورپ میں بہت روشنیٔ علم و ہنر ہے — حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات
یہ علم یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت — پیتے ہیں لہو دیتے ہیں درسِ مساوات
بے کاری و عریانی و میخواری و افلاس — کیا کم ہیں فرنگی سیاست کی فتوحات
جو قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم — حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات
ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت — احساسِ مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

اقبال جمہوریت کے اس لئے بھی مخالف ہیں کہ اس سے اخلاق، اتحاد، صلاحیت، لیاقت، شرافت جیسے اوصاف بھی مجروح ہوتے ہیں۔ ووٹ اُسے ملتے ہیں جو وسائل رکھتا ہے۔ دولت کے اعتبار سے ہر انسانی وصف کو ذبح کر کے جو اعلیٰ سیاسی منصب پر پہنچتا ہے وہ اس منصب پر بیٹھ کر ایسے گُل کھلاتا ہے کہ عقل محوِ حیرت ہو جاتی ہے۔ نہ علم نہ تقویٰ نہ سیرت، نہ معاملہ فہمی صرف زر، زمین اور زن کے توسط سے حکمرانی میں حصہ ملتا ہے۔ اقبال کے ہاں یہ سب کچھ ذلت و رسوائی ہے۔ یہی وہ جمہوریت ہے جس کے بارے میں اقبال کہتے ہیں کہ "دوصد گدھے مل کر انسانی فہم و تدبر کے برابر نہیں" لیکن اس میں مشکل یہ ہے کہ دو سو گدھوں کی ڈھیچوں ڈھیچوں سے انسانی آواز وقتی طور پر دب کر رہ جاتی ہے۔

متاعِ معنیٔ بیگانہ از دو قطرتاں جوئی ز موراں شوخیٔ طبعِ سلیمانے نمی آید

گریز از طرزِ جمہوری، غلامِ پختہ کارِ شو کہ از مغزِ دو صد خر، فکر انسانے نمی آید

اور میرا یقین ہے کہ ان اشعار میں جو علامہ نے غلامِ پختہ کار کی تلقین فرمائی ہے اس سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے جن کے بارے میں ایک جگہ علامہ یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

گر بہ او نرسیدی تمام بولہبی ست

قارئین — توجّہ فرمائیں!

نقیبِ ختمِ نبوّت — ڈیڑھ سال سے باقاعدگی کے ساتھ آپ کی خدمت میں پہنچ رہا ہے۔

الحمد للہ! ہمیں فخر ہے کہ ہم نے نہ تو اپنے بنیادی مقاصد سے انحراف کیا اور نہ اپنے عظیم اسلاف کے مشن سے روگردانی کی ہے۔

- —— عقیدۂ توحید و ختمِ نبوّت کا تحفّظ
- —— عظمت، ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا دفاع
- —— مرزائیت و رافضیت اور دیگر دین دشمن قوتوں کے خلاف جہاد ہمارا نصب العین ہے۔

یہی نقیبِ ختمِ نبوّت کی پہچان، شناخت اور علامت ہے۔

قارئینِ کرام! آپ نے جس والہانہ انداز میں ہم بے وسائل اور فقیروں کی حوصلہ افزائی کی ہے، ہم اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں، آپ کو تہِ دل سے مبارکباد دیتے ہیں اور خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں — کاغذ کی گرانی اور طباعت و کتابت کے اخراجات میں بے پناہ اضافہ کی وجہ سے قیمت بڑھانے پر مجبور ہیں آئندہ سے پرچہ کی قیمت ۵/- روپے ہوگی — قارئینِ کرام سے گزارش ہے کہ نقیب کے خریدار بڑھائیں اور اسے معیاری بنانے کے لئے اپنی تجاویز سے نوازیں — جن خریداروں کا سالانہ چندہ ختم ہو چکا ہے وہ فوراً ۵۰/- روپے منی آرڈر ارسال فرما کر اپنی سالانہ ممبر شپ کی تجدید فرمائیں — ان شاء اللہ ہم وسائل و مشکلات سے بے پروا ہو کر محض اللہ جل شانہٗ کے سہارے اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے —!

والسلام!

سید محمد کفیل بخاری (مدیر منتظم)

مولانا محمد عبد الحق چوھان

ضرورتِ نبوّت اور ختمِ نبوّت

خداوند قدوس نے انسان کو ایک ایسی امتیازی فطرت سے نوازا ہے جس کے باعث وُہ "اشرف المخلوقات" کے درجۂ رفیعہ پر فائز ہے۔ انسان کے فطری خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اُس کی فطرت کے خمیر میں خیر و شر کی استعدادی قُوت رکھ دی گئی ہے۔ استعدادِ شر کے باعث یہ قبائح و فواحش کا ارتکاب کرتا ہے اور استعدادِ خیر کے باعث خیر و حسنات کے امور سرانجام دیتا ہے۔ انسان کی اس فطری جامعیت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان الفاظ کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے:

ان اللہ خلق اٰدم و جعل فیہ نفسا و روحا فمن الروح عفافہ و حلمہ و سخاؤہ و وفاؤہ و من النفس شھوتہ و طیشہ و سفہہ و غضبہ۔ (الروض الانف ص: ۱۹۸، ج: ۱)	خداوند قدوس نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کی فطرت میں نفس اور رُوح کو ودیعت رکھا ہے۔ انسان کی پاک دامنی، بُردباری، سخاوت اور ایفاءِ عہد رُوح کے باعث ہے اور انسان میں بُرائیوں کی خواہش، غصہ، بیوقوفی کے کام اور غضب، نفس کے سبب ہے۔

یہ قُوت، استعدادِ افعال کے اعتبار سے غیر متناہی ہے۔ یعنی انسان اگر جذبۂ تسکین خواہشات کے تحت اس قُوت کو فواحش و قبائح کے ارتکاب میں صرف کرنا شروع کر دے تو اس کے تمرّد، عصیان اور تجاوز عن الحدود کے لیے کوئی ایسا نقطہ معرضِ وجود میں نہیں آئے گا کہ جس کے باعث انسانی استعداد معدُوم ہو جائے اور اس کے تمرّد و استکبار کی وُہ انتہائی منزل ہو۔ اور اسی طرح اگر انسان اس قُوتِ استعداد کو امورِ خیر و حسنات میں صرف کرے تو ترقّیٔ مدارج و معارج کی شاہ راہ پر ایسی کوئی منزل معرضِ وجود میں نہیں آئیگی کہ جس پر انسان کی رُوحانی ترقّی و صعودی حرکت منقطع و مختتم ہو کر سکون و جمود میں تبدیل ہو جائے۔ بلکہ ہر آن و ہر ساعت میں تقرب الی اللہ کے مدارج کی

منزل طے کرتا رہے گا۔ انسان کی اس جامعیت اور فطری خصوصیت کو بیان کرتے ہوئے علامہ جلال الدین دوانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں :

اللہ تعالیٰ مَلک را عقل داد بے شہوت وغضب ، وحیوان را شہوت وغضب داد بے عقل ، وانسان را ہر دو داد ۔ پس اگر انسان شہوت وغضب را مطیع و منقاد عقل گرداند و بکمال عقلی رسد رُتبۂ اُو از مَلکِ اعلیٰ باشد چہ مَلک را مزاحمی در کمال نیست بلکہ اختیارے دراں نہ ، وانسان باوجود مزاحم بسعی و اجتہاد بایں مرتبہ فائز شدہ واگر عقل را مغلوب شہوت وغضب سازد خود را از رتبۂ بہائم فروتر اندازد ۔ چہ ایشاں بواسطۂ فقدانِ عقل کہ وازع شہوت وغضب تواند بود در نقصان معذور اند بخلاف انسان ۔

اخلاق جلالی ، ص : ۲۴ ۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو قوّتِ عاقلہ سے نوازا ہے لیکن ان میں قوّتِ شہوانیہ اور غضبیہ مفقود ہے ۔ اور انسان کے علاوہ باقی حیوانات کے اندر قوّتِ شہوانیہ وغضبیہ موجود ہے لیکن قوّتِ عاقلہ سے یہ عاری ہیں اور خداوندِ قدوس نے انسان کو ان دونوں قوّتوں سے نوازا ہے پس انسان اگر قوّتِ شہوانیہ اور غضبیہ کو عقل کے تابع اور اس کا فرماں بردار بنا دے تو انسان عقلی کمال کے مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے اور اس کا درجہ فرشتوں سے بھی بلند ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ فرشتوں کے اندر کوئی ایسی قوّت موجود نہیں جو کہ کمالِ عقلی کے حصول سے مانع اور مزاحم ہو بلکہ وہ تو نیکی کے خلاف عمل کرنے کی قوّتِ اختیار سے بھی محروم ہیں اور انسان کی فطرت میں کمالِ عقلی حاصل کرنے میں مزاحم موجود ہے اس لئے انسان یہ مرتبہ اجتہاد اور سعی مسلسل کے بعد ہی حاصل کرتا ہے اور انسان اگر قوّتِ عاقلہ کو قوّتِ شہوانیہ اور غضبیہ کے تابع کر دے تو حیوانات کے درجۂ سافلہ سے بھی نیچے گر جاتا ہے ۔ اس لئے کہ حیوانات قوّتِ شہوانیہ اور قوّتِ غضبیہ کا مقابلہ کرنے والی قوّتِ عاقلہ سے عاری ہونے کے باعث

معذور ہیں اور انسان کے اندر قوتِ عاقلہ موجود ہے

خداوند قدوس نے جس طرح مادّی اشیاء کی فطرت میں بعض ایسی خصوصیات ودیعت رکھی ہیں کہ جن کے باعث وُہ وُہ اشیاء بدنِ انسانی کے لئے مفید یا مضر ثابت ہوتی ہیں اسی طرح اعمالِ انسانی بھی معنوی خصائص پر محیط و مشتمل ہیں: انہی خصائص کے اعتبار سے بعض اعمال رُوحِ انسانی کے لئے سُود مند ہیں اور بعض اعمال مُضر۔ لیکن ان کے منافع و ضرر رساں اثرات کا ظہور آخرتِ اُخروی میں ہوگا۔ جس طرح اَطبّا جسمِ انسانی کے لئے مُفید و مضر اشیاء کی نشاندہی کرتے ہیں اسی طرح اِنسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ نوعِ انسانی میں سے ایسا برگزیدہ گروہ ہو جو کہ رُوحِ انسانی کے لئے مفید اور مضر اعمال کی نشاندہی کرے۔ اور نوعِ انسانی کا یہ برگزیدہ گروہ انبیاء علیہم السلام کا ہے۔

چنانکہ ابدان را بعض اشیاء نافع و بعض ضارّ دریں حیاتِ دُنیا۔ ہمچنیں انسان را بعض افعال مضر در حیاتِ اخرویہ چہ اَفعال استعداد اِقتضاے ایصال بجنت و نار می دارند وایں ضرر و نفع افعال در حیاتِ اخرویہ کہ حیاتِ اصلیہ است ظاہر خواہد شد و ایں حیات را بعض افعال نافع است و بعض مضر۔ و ایں حکم مرافعال در حد ذات وے ثابت است و چنانکہ طبیبان طبیعتِ اشیاءِ نافعہ و ضارّہ ابدان را در حیاتِ دنیاویہ بیان می کنند تا بدن از

جیسا کہ انسان کے بدن کے لئے اس دنیا کی زندگی میں بعض چیزیں نفع رساں اور بعض چیزیں نقصان دہ ہیں اسی طرح حیاتِ اُخرویہ کے لئے بھی بعض انسانی اعمال نقصان دہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ افعال باعتبار اپنی ذاتی خصُوصیت کے جنّت اور جہنّم تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں اور ان کا نفع اور نقصان حیاتِ اُخرویہ میں ظاہر ہوگا جو کہ اصل حیات ہے اس لئے بعض افعال حیاتِ اُخرویہ کیلئے نفع رساں ہیں اور بعض افعال نقصان دہ ہیں اور یہ خاصیت ان افعال کی ذات ہی سے ہے اور جس طرح کہ انسانی جسم کے حکیم اور طبیب انسان کے جسم کے لئے مفید اور مضر اشیاء کی نشاندہی کرتے ہیں تاکہ انسانی جسم مرض سے محفوظ رہ جائے اسی طرح انبیاء علیہم السلام حیاتِ اُخرویہ

عـدوش مرض در حیات دُنیا مصئون باشد. ہمچنیں انبیاء و رسل مُضرات و نافعات حیاتِ اخروی بیان می فرمایند تا بعمل بآں انسان مصئون از رنج والم.
(بحرالعلوم شرح مثنوی ص: ۱۲۵، دفتر سوم)

کے لئے مفید اعمال اور مُضر اعمال بیان فرماتے ہیں تاکہ انسان اخروی زندگی میں رنج و اَلَم سے نجات حاصل کرسکے۔

اور امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی (المتوفّی ۵۰۵ ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ نُبوّۃ اور اعمالِ شرعی کی حیثیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان الانسان خلق من بدن و قلب و اعنی بالقلب حقیقۃ روحہ التی ھی محل معرفۃ اللہ دون اللحم و الدم الذی یشارکہ فیہ المیت و البھیمۃ و ان البدن لہ صحۃ بھا سعادۃ و مرض فیہ ھلاکہ و ان القلب کذالک لہ صحۃ و سلامۃ "اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ" و المرض فیہ ھلاکہ الابدی الاخروی کما قال اللہ تعالیٰ "فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ" و ان الجھل باللہ سم مھلک

تحقیق بلاشک وشبہ انسانی ترکیب میں دو اجزاء ہیں، ایک بدن اور دوسرا قلب قلب سے وہ حقیقتِ رُوحانیت مراد ہے جو کہ معرفتِ الٰہی کا سرچشمہ ہے اور یہ ظاہری گوشت اور خون کا ٹکڑا مُراد نہیں جس میں مُردے اور بہائم دونوں شریک ہیں اور تحقیق بدن انسانی کے لئے صحت کی کیفیت ہے جس پر انسانی جسم کی سعادت کا مدار ہے اور ایک مرض کی کیفیت ہے جس میں انسان کے جسم کے لئے ہلاکت ہے۔ اسی طرح انسانی رُوح کے لئے بھی صحت وسلامتی ہے اور وہ شخص (روحانی مرض سے) نجات پا گیا ہے جس کی یہ کیفیت ہو "مگر ہاں جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر آئے"، اور اسی طرح روحانی مرض بھی ہے، اور اس مرض میں اس کے لئے عالمِ آخرت میں

و ان معصية الله بمتابعة الهوىٰ داؤه الممرض و ان معرفة الله تعالىٰ ترياق المحي و طاعتـــه بمخالفة الهوىٰ دواؤه الشافي و انه لا سبيل الى معالجته بازالة مرضه و كسب صحته الا بادوية كما لا سبيل الى معالجة البدن الا بذلك و كما ان ادوية البدن توثر في كسب الصحة بخاصية فيها لا يدركها العقلاء ببضاعة العقل بل يجب فيها تقليد الاطبار الذين اخذوها من الانبياء الذين اطلعوا بخاصية النبوّة على خواص الاشياء فكذلك بان لي على الضرورة ان ادوية العبادات بحدودها و مقاديرها المحدودة المقدرة من جهة الانبيا لا يدرك

ابدی ہلاکت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اُن کے دلوں میں بیماری ہے"۔ اور تحقیق اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں جاہل رہنا سمِّ قاتل ہے اور خواہشاتِ نفسانی کی متابعت کے باعث خداوند قُدّوس کے احکام کی نافرمانی دل کی بیماری کو بڑھانے والا مرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت دل کی بیماری کے لئے زندگی بخش تریاق ہے اور خدائے قُدوس کی طاعت انسانی قلب کے لئے نسخۂ شفا ہے۔ جس طرح بدنِ انسانی کے مرض کا اِزالہ اور حصولِ صحت بھی بغیر اَدویہ کے ناممکن ہے اور جیسے کہ انسانی جسم کی صحت کے حصول میں اَدویہ اپنے خصوصی اثرات اور خواص کے باعث موثر ہیں اور ان خصوصی اَثرات اور خواص کا ادراک انسانی عقل کی فہم سے بالاتر ہے۔ بلکہ اس معاملہ میں اطبار کی تقلید کی جاتی ہے اور درحقیقت ان خواص کا علم بھی اَطبّار کو انبیاء علیہم السلام کے ذریعے حاصل ہوا ہے۔ اسی طرح میرے لئے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکی ہے کہ عبادات بھی رُوحِ انسانی کے لئے صحت بخش ادویہ ہیں ان کے خصوصی مقادیر کا تعین انبیاء علیہم السلام کی طرف سے ہُوا ہے اور خاص مقادیر اور اوزان کے اندر جو خصوصی تاثیرات ودیعت

وجه تاثيرها ببضاعة
عقل العقلاء بل يجب فيها
تقليد الانبياء الذين ادركوا
تلك الخواص بنور النُّبوّة
لا ببضاعة العقل و كما
ان الادوية تركبت من
اخلاط المختلفة و بعضها
ضِعف البعض فى الوزن.
فلا يخلوا اختلاف مقاديرها
عن سر هو من قبيل
الخواص و كذلك العبادات
التى هى ادوية داء القلوب
مركبة من افعال مختلفة
النوع و المقدار حتى
ان السجود ضعف الركوع
و صلوة الصبح نصف
صلاة العصر فى
المقدار و لا يخلو عن
سر من الاسرار هو
من قبيل الخواص التى
لا يطلع عليها الا بنور
النبوة . لقد تحامق
و تجاهل جدا من اراد

ہیں داناؤں کی عقلیں ان کے ادراک سے
عاجز و درماندہ ہیں بلکہ ان کے ادراک میں
انبیاء علیہم السلام کی تقلید ضروری ہے۔ اور
انبیاء علیہم السّلام کا اِدراک بھی
فیضانِ نُبوّت کا نتیجہ ہے نہ کہ
عقل و تجربہ کا۔ اور تحقیق جس طرح
ایک نسخہ مختلف الاثرات ادویہ
سے مُرکّب ہوتا ہے اَور اَدویہ
کے اَوزان بھی مختلف ہوتے
ہیں بعض ادویہ کے وزن بعض
دوسری ادویہ کے وزن سے
دوچند ہوتے ہیں اَور اَوزان کا
یہ اختلاف بھی ادویہ کی تاثیرات
میں ایک سِرّ مکتوم ہے۔
اِسی طرح عبادات بھی، جوکہ
دل کی بیماریوں کے لئے اَدویہ
ہیں۔ وہ بھی مختلف افعال اور مختلف
مقادیر سے مُرکّب ہیں۔ حتّٰی کہ نماز
کی ایک رکعت میں ایک رکوع ہے لیکن
سجدہ اس کا دوہرا ہے اور صبح کی نماز باعتبار
تعداد رکعات کے عصر کی نماز کا نصف ہے۔
عبادات کا یہ اختلاف بھی ایسا راز ہے کہ
جس کا اِدراک نُورِ نُبوّت کے بغیر ناممکن ہے

ان يستنبط بطريق العقل لها حكمة او ظن انها ذكرت على سبيل الاتفاق۔
(المنقذ من الضلال ص: ۵۸-۵۹)

اَور وُہ شخص سخت جاہل اَور احمق ہے جو اِن اختلافات کی حکمت کو عقل کے ذریعے معلوم کرنا چاہے اور یا یہ گمان کرے کہ یہ اختلافات بغیر کسی راز کے محض اتفاقی ہیں۔

اِنسانی فطرت کی اس توضیح اَور اس کے اعمال کے رُوحانی اور فطری خصائص بیان کرنے سے یہ حقیقت روزِ رَوشن کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ اِنسان باعتبار اپنی فطرت کے نظامِ نبُوّت کا محتاج ہے۔ کیونکہ اسکی قُوّتِ خیر کی تدبیر و اصلاح اَور قُوّتِ شر کے مضرات اور نقصانات سے تحفّظ کے لئے اور اس کی تربیت وتزکیہ اَور نظامِ زندگی کو جَادۂ اعتدال پر اُستوار کرنے کے لئے خداوندِ قُدّوس کی طرف سے نوعِ انسانی میں سے برگزیدہ اِنسانوں کا ایک خاص طبقہ مُتعیّن ہو جوکہ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے احکام حَاصل کرے اَور اسی کے مُطابق انسانوں کی تربیت کرکے نظامِ زندگی کو اُستوار کرے اَور اس برگزیدہ گروہ کی حیاتِ طیّبہ اور اُسوۂ حَسنہ تعمیرِ سیرت میں مشعلِ راہ ثابت ہو اَور جب تک اِنسانی زندگی کے تمام شعبۂ ہائے حیات کو ان کے بیان کردہ طریقِ زندگی پر اُستوار نہ کیا جائے اُس وقت تک اِنسان کے لئے سعادات اُولیٰ اور اُخریٰ کا تحصّل ناممکن و محال ہو۔ انبیاء علیہم السلام کے لئے نبُوّت کا یہ منصبِ رفیع خداوندِ قُدّوس کی طرف سے ایک وہبی منصب ہے جس کے حصُول کا مدار کسب و اکتساب پر نہیں اس لئے علماءِ اُمّت کا اِتّفاق ہے کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ نبُوّت ایک اِکتسابی مرتبہ ہے، وہ شخص زندیق اَور دَائرۂ اِسلام سے خارج ہے۔ کیونکہ نبُوّت کے متعلّق اس طرح کا عقیدہ اور نظریہ قائم کرنا اُمّت کے اِجماعی عقیدۂ ختمِ نبُوّت کے متضاد اَور متصادم ہے:

قد اتفق المالكية وغيرهم بكفر من قال ان النبوّة مكتسبة (الیواقیت والجواہر ج: ۱، ص: ۱۶۵)۔

"علماءِ مالکیہ اور تمام اُمّت کا اِس بات پر اِتّفاق ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ نبُوّت اکتسابی اَمر ہے وُہ کافر اور دائرۂ اِسلام سے خارج ہے۔"

اِس منصبِ جلیلہ کی ابتدار سیّدنا آدم علیٰ نبیّنا وعلیہ السلام کی ذاتِ ستودہ صفات سے ہوئی اور قصرِ نبُوّت کی تکمیل اس مُقدّس گروہ کے آخری فرد خاتم النّبیّین سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ واتباعہٖ اجمعین کی

کی ذاتِ اقدس پر ہوئی ہے اس لئے آپ نے یہ اعلان فرمایا :

ان الرسالۃ و النبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی و لا نبی بعدی۔

" رسالت اور نبوّت کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ اب میرے بعد کوئی نیا رسُول آئے گا اور نہ ہی کوئی نبی۔"

فطرتِ انسانی کی جامعیت کے آئینے میں بعثتِ انبیاء علیہم السلام کی ضرورت کا تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ نبوّت کا تعلّق خداوند قدّوس کی صفتِ ربوبیت سے ہے۔ یعنی نبوّت اللہ تعالیٰ کی صفتِ ربوبیت کا ایک مظہر ہے۔ اسی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو پہلی وحی نازل ہوئی ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا ذکر ہے اور اسی طرح تبلیغِ رسالۃ کے متعلق قرآن مجید کی آیت : یَا أَیُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَیْكَ مِن رَّبِّكَ ط اور آیت : یَا أَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِی خَلَقَكُمْ ط میں بھی صفتِ ربوبیت کا تذکرہ ہے اور قرآن مجید میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصدِ بعثت میں بھی تعلیم و تربیت کو نمایاں حیثیت سے بیان کیا گیا ہے۔ اور صفتِ ربُوبیّت خداوند قدّوس کی ایک ایسی صفت ہے کہ اُس کے مظہرِ تربیت کی ابتدا بھی ہوتی ہے اور انتہا بھی۔ اس لئے سلسلۂ نبوّت کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی۔ قاضی بیضاویؒ تربیت کا معنٰی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

وھی تبلیغ الشّی اِلٰی کمالہ شیئاً فشیئاً۔

" تربیت کا معنٰی ہے، کسی شَے کو تدریجاً اپنے کمال تک پہنچانا۔"

ممکن ہے کہ کسی شخص کو یہ وہم ہو کہ قرآن مجید کی آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لفظ 'رحمۃ' سے تعبیر کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوّت کا تعلّق صفتِ رحمت سے ہے۔ تعمّقِ نظر سے اگر ان مباحث کا مطالعہ کیا جائے تو اس وہم اور خدشہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ کیونکہ خداوند قدّوس کی صفتِ رحمت کا تحقّق صفتِ ربوبیّت میں بھی ہے اس لئے جن آیات میں نبوّت کو رحمت سے تعبیر کیا گیا ہے تو یہ اس کے منافی نہیں۔ کیونکہ بہ توسّط صفتِ ربوبیّت، نبوّت کو صفتِ رحمت کے ساتھ تعلّق ہے۔ ہمارے اس بیان سے مرزائیوں کا مشہور مغالطہ " نبوّت خدا تعالیٰ کی رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے لئے انقطاع نہیں اس لئے نبوّت بھی ختم نہیں " مندفع ہوگیا۔ کیونکہ دعوتِ نبوّت خداوند قدّوس کی رضا جوئی کا ایک نظامِ تربیت ہے اس لئے اس نظام کے لئے انتہائے کمال ہونا ضروری ہے۔ مزید برآں یہ کہ

ختمِ نبوّت چونکہ نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے اس لئے اس کے مقابلہ میں قیاسِ فاسد اور تاویلِ باطل کی کوئی حیثیت نہیں۔ اور اگر نبوّت کا اختتام نہ ہو تو پھر یہ خرابی لازم آتی ہے کہ ابدالآباد تک اللہ تعالیٰ کا نظامِ شریعت ناقص اور نامکمل ہے، جو کہ خداوند قدّوس کی ذات والا صفات کے ہرگز لائق ہی نہیں۔ تعالی اللہ عن ذٰلک علوًا کبیرًا۔

پروفیسر تاثیرِ وجدان

الوداع اے ماہِ رمضان!

رمضان المبارک کے آخری ایّام میں ایک معتکف کے جذبات و تاثرات

مغفرت کا مہرباں موسم جدا ہونے کو ہے
رحمتِ حق کا اُمڈتا ابر چھٹ جانے کے بعد
نیم شب، نم دیدہ آنکھوں میں دعاؤں کے ہجوم
سوزِ استغفار ہوگا اب نہ وہ جذبِ سجود
دستکیں دے گی درِ گردوں پہ اب بھی ہر دُعا
شیطنت ناچے گی پھر بند سلاسل توڑ کر
ماہِ پُرانوار! تیرے فیض سے کٹ کر حیات
ذکرِ الااللہ کے اے عہدِ درخشاں، الوداع
الوداع، وجہِ فروغِ رنگِ عرفاں، الوداع

شاخِ دل، خوں رو کر اب تو بے ثمر رہ جائیگی
پھر تپش سورج کی سر پر پھیل کر رہ جائیگی
کیسا غم تھا، یاد جس کی عمر بھر رہ جائے گی
دل میں باقی آرزوئے سیم وزر رہ جائیگی
لیکن اب روحِ دُعا بے بال و پر رہ جائیگی
اور نیکی بے سہارا، بے سپر رہ جائیگی
بے نصیب و بے مراد و بے اثر رہ جائیگی
باعثِ نشو و نمائے کشتِ ایماں، الوداع
اے قرارِ جان کے ایّامِ بہاراں، الوداع

ماہِ بابرکات اے ماہ فروزاں، الوداع
الوداع اے ماہِ رمضاں، ماہِ رمضاں الوداع

آغا غیاث الرحمٰن انجم ۔ لاہور

زبان میری ہے بات اُن کی

"میں بچپن ہی سے ڈاکٹروں سے خوفزدہ رہا ہوں اس لئے ان سے بچنے کے لئے ہر روز ایک سیب کھاتا ہوں۔"

(صدر غلام اسحٰق خاں)

اچھا اب پتہ چلا خوچہ "پروٹ" کیوں کھاتا ہے ؟

"پولیس افسر مظلوموں کی دادرسی کریں۔" (آئی جی پنجاب)

دیکھیں یہ اُلٹی گنگا کب بہتی ہے ؟

"گندم کی مصنوعی قلت کی ذمہ دار پنجاب حکومت ہے۔" (مخدوم الطاف)

اصلی قلت کا ذمہ دار کون ہے ؟

"لندن پولیس یہاں آ کر چھ ماہ بھی کام کرے تو ہم استعفیٰ دے دیں گے۔" (آئی جی پنجاب)

نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی ۔

"راولپنڈی میں بارہ غیر ملکی نقب زن گرفتار۔" (ایک خبر)

ملکی ہوتے تو کبھی گرفتار نہ ہوتے ۔

"خدا وہ وقت نہ لائے کہ ہم کھسکتے کھسکتے جماعت اسلامی سے جا ملیں۔" (مولانا فضل الرحمٰن)

اُلٹے چلے گئے گو درِ کعبہ وا نہ ہوا ۔

"ساری سرکاری زمین غریبوں میں بانٹ دی جائے۔" (بے نظیر کی صوبائی حکومتوں کو ہدایت)

حلوائی کی دکان اور دادا جی کی فاتحہ ۔

"ایوان کو مسجد نہ بنایا جائے۔"

[پارلیمنٹ کی دیوار پر قرآنی آیات لکھوانے کی تجویز پر وفاقی وزیر سید ظفر علی شاہ کا سخت اعتراض]

سید صاحب کا شجرۂ نسب لکھوا دیا جائے بہتوں کا بھلا ہوگا ۔

"قوم جنرل بیگ کو سلام کرتی ہے۔" (بے نظیر)

آپ بھی جنرل صاحب سے علیک سلیک رکھیں۔

"روشنی دینے گئے تھے اندھیرے کے موجد بن گئے۔" (فاروق لغاری)

چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر۔

"طاہر القادری نے پاکستان عوامی تحریک کے نام سے نئی سیاسی جماعت بنالی۔" (ایک خبر)

اودن ڈبا جدوں گھوڑی چڑھیا کُبّ

"پیپلز پارٹی کے بعض کارکن آداب محفل سے بھی ناواقف ہیں۔" (نصرت بھٹو)

اس قبیلے کا ہر پیر و جواں گستاخ ہے۔

"پیپلز پارٹی کے کارکن منشیات سے پرہیز کریں۔" (بے نظیر)

کیونکہ میں نے منشیات اُس وقت چھوڑ دی تھیں جب سگریٹ نوشی کی کثرت کے باعث دانت خراب ہونے کی وجہ سے مجھے ہسپتال جانا پڑا تھا۔

"پچھلے دور میں کروڑوں روپے کی رشوت خُرد بُرد کی گئی۔" (بے نظیر)

یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ طوائفوں کی عصمت دری کی گئی۔

"مارشل لا کا دودھ پینے والے ملک کی ترقی کے لئے مخلص ہوتے تو بہت کچھ کرسکتے تھے۔" (نصرت بھٹو)

فیلڈ مارشل کا دُودھ پینے والوں نے ملک دو لخت کیا۔

"احمد فراز کو اکادمی ادبیات پاکستان کا چیئرمین مقرر کردیا گیا۔" (ایک خبر)

کھوتا جواں دے ڈھیر دا ہویا راکھا
دانے کیکڑاں پاس رکھا دنے نوں
بیڑی کاغذ دی تے باندر ملاح بنیا
اَنّا گھلیا پور لنگھا دنے نوں
رگدڑ کُکڑیاں تے جمادار ہویا
اُٹھ گھلیا باغ لگا دنے نوں

"مجاہدین دشمن نہیں بھائی ہیں، اختلافات ایسے نہیں جو طے نہ ہوسکیں۔" (نجیب اللہ صدر افغانستان)

ہائے کم بخت کو کس وقت خدا یاد آیا۔

" آصف زرداری بچّے کو چادر میں لے جا کر خاموشی سے نکل جانا چاہتے تھے کہ بچّے کی چیخ نے راز فاش کر دیا۔"

(ایک خبر)

احتیاط بہت ضروری ہے آجکل بچے راز فاش کر دیتے ہیں ۔

"موجودہ اسمبلی اجتہاد کا درجہ رکھتی ہے ۔" (ڈاکٹر یوسف عزّ ایاز)

سُنا ہے کہ دِلی میں اُلّو سے پٹھے

رگِ گل سے بلبل کے پَر باندھتے ہیں

" ایک سالہ لڑکے کے پیٹ میں مُردہ بچّہ ۔" (وکٹوریہ ہسپتال بہاولپور کی خبر)

ششماہی جمہوریت کا پہلا تحفہ ۔

" جس کو پکڑو سیاسی اور سرکاری سفارش آ جاتی ہے ۔" (محکمہ مال کے متعلق اخباری رپورٹ)

آجکل جمہوریت کا راج ہے جس کی دُم اٹھاؤ وہی مادہ ہے ۔

" ولی خان، نصراللہ خان، فضل الرحمٰن، نواز شریف، عبدالستار نیازی اور کھر نے جتوئی کو قائدِ حزبِ اختلاف بنا لیا ۔ (اس ماہ کی اہم خبر)

کس چیز کی کمی ہے چاچا تیری گلی میں

نتھیا تیری گلی میں گھوڑا تیری گلی میں

" ایم کیو ایم اور پی پی پی میں معاہدہ طے پا گیا ۔" (ایک خبر)

اُجاڑ کر مٹائے جا بگاڑ کر بنائے جا

کہ میں تیرا چراغ ہوں جلائے جا بجھائے جا

" مجھے خوشی ہے ولی خان میرے ساتھ بیٹھے ہیں ۔" (نواز شریف)

جماعت اسلامی کے ساتھ بیٹھنا کوئی نئی بات نہیں ۔

" عورتوں کی حکومت ہے خدا کا خوف کریں ۔" (ولی خان)

با پوش میں لگائی کرن آفتاب کی ✣ جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

" وفاقی بجٹ میں ڈاک کی شرح میں اضافہ کر دیا گیا ۔" (ایک خبر)

چِٹھی قطب الدین دی پہنچا دیں دے کبوترا ۔

مطبوعات تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت پاکستان

مشاہداتِ قادیان (حضرت مولانا محمد عنایت اللہ چشتی)	۵۰/- روپے	مسئلہ ختم نبوت علم و عقل کی روشنی میں (حضرت مفتی محمد اسحاق صدیقی)	۱۲/- روپے
اسلام اور مرزائیت (حضرت مولانا محمد عبداللہ)	۱۰/- "	لہٗ دعوۃ الحق (حضرت مولانا محمد عبداللہ)	۲/- "
تاریخ محاسبہ قادیانیت (پروفیسر خالد شبیر احمد)	۱۲/- "	قادیانیوں کا چہرہ (مولانا عاشق الٰہی)	۵/- "
تحریک تحفظ ختم نبوت (جد و جہد احرار کے پس منظر میں) (سید کفیل بخاری)	۸/- "	مرزائیت (ابو مدثرہ)	۱/- "
مولانا محمد قاسم نانوتوی پر مرزائیوں کا بہتان (مولانا محمد ادریس کاندھلوی)	۱/-	مرزا غلام قادیانی سرسید احمد خان کی نظر میں	۱/- "
مسلمان اور کارِ دل (علامہ اقبال)	[illegible]	فتوٰی امام ربانی بر مرزا غلام قادیانی	۱۳/۵۰
[illegible] Islam	۵/-	تاریخ [illegible] (چوہدری افضل حق)	۵۰/- "
Ahmadiya Movement By H. A. Walter	۱/- "	تبرکاتِ امیرِ شریعت (جانشین امیر شریعت سید عطاء المحسن ابوذر بخاری)	۳۰/- "
Qadianism by Abulhasan Ali Nadvi		مسئلہ [illegible] (مولانا منظور [illegible])	۱۲/-
Khatme-Nubuwwat A Key To human peace. By Ch. Afzal-Haq	۱/-	[illegible] (شیخ حسام الدین)	۵/- "
		سرخ [illegible] (ماسٹر تاج الدین انصاری)	۱۰/- "
احرار اور مسلم لیگ (محمد رفیق اختر)	[illegible]	[illegible] امیرِ شریعت (مجموعہ مضامین)	۱/- "
یادگار بخاری (رحیم بخش شاہین)	[illegible]	سید عطاء اللہ شاہ بخاری (عبدالغنی فاروق)	۵/- "
آتشِ ایران (سید آل عمران مشہدی)	۸/- "	خمینی کے بارے میں علماء کا متفقہ فیصلہ (مولانا منظور نعمانی)	۲۴/- "
الناہیہ عن طعن امیر معاویہ (مولانا عبدالعزیز پرہاڑوی)	۱۵/- "	ایرانی انقلاب خمینی اور شیعیت "	۳۰/- "
حضرت حسینؓ کے قاتل	۴/- "	خون عثمانؓ	۱۰/- "

نقیبِ ختمِ نبوت
امیرِ شریعتؒ نمبر

حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مجاہدانہ زندگی اور انقلاب آفریں جد و جہد پر عصر کے نامور اہلِ قلم، ہم عصر اور علماء کے مضامین کا مجموعہ۔ محدود سٹاک موجود ہے۔ جلد طلب فرمائیں۔ قیمت ۶/- روپے

نئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں: ۱۔ لہٗ دعوۃ الحق (مرزائیوں کو دعوتِ اسلام۔ مولانا محمد عبداللہ) ۲/- روپے

۲۔ محدثِ اعظم امام اعظم ابو حنیفہؒ (مولانا محمد یعقوبؒ) ۱/- روپیہ ۳۔ سرخ [illegible] (ماسٹر تاج الدین انصاری) ۱۰/- "

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت (شعبۂ تبلیغ) عالمی مجلس احرارِ اسلام پاکستان
دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان — فون نمبر ۷۲۸۱۳

آئیے۔ اللہ کی رضا اور اجر حاصل کیجئے۔!

ہمارے دینی ادارے اور مستقبل کے منصوبے

مسلمان توجہ فرمائیں

★ — مجلس احرارِ اسلام دینی انقلاب کی داعی ہے۔ دینی انقلاب — دینی مزاج اور دینی ماحول پیدا کیے بغیر ممکن نہیں۔ ۱۹۲۹ء سے آج تک احرار نے بیسیوں تحریکوں کو جنم دیا اور پروان چڑھایا۔ احرار کی سب سے بڑی، مضبوط اور زندہ تحریک **تحریکِ ختمِ نبوّت** ہے۔

★ — پاکستان سے پہلے اور پاکستان کے بعد احرار نے سینکڑوں دینی ادارے قائم کیے جن سے اُمّتِ مُسلمہ میں دینی مزاج عام اور دینی قوتوں میں اضافہ ہوا۔ اکابرِ احرار نے ایک بات شدّت سے محسوس کی کہ جب تک دینی ادارے بُنیادی طور پر احرار کی نگرانی میں نہیں چلتے اُس وقت تک یکجہتی پیدا ہونا مشکل امر ہے۔ لہٰذا ہم نے اُمّتِ مسلمہ کے تعاون سے اندرون و بیرونِ مُلک دینی ادارے قائم کئے ہوئے ہیں جن کی مختصر تفصیل یوں ہے:

★ مدرسہ معمورہ ——— مسجدِ نور، تغلق روڈ ملتان ———
★ مدرسہ معمورہ ——— دارِ بنی ہاشم، پولیس لائنز روڈ ملتان
★ مدرسہ محمودیہ معمورہ ——— ناگڑیاں ضلع گجرات ———
★ جامعہ ختمِ نبوّت ——— مسجد احرار متصل ڈگری کالج ربوہ۔ فون نمبر: ۸۸۶ ———
★ مدرسہ ختمِ نبوّت ——— سرگودھا روڈ ربوہ ———
★ دارالعلوم ختمِ نبوّت ——— چیچہ وطنی۔ فون نمبر: ۲۹۵۳ ———
★ مدرسہ ابوبکر صدّیق ——— تلہ گنگ ضلع چکوال ———
★ یوکے ختمِ نبوّت مشن ——— (ہیڈ آفس) گلاسگو، برطانیہ ———

یہ ادارے سرگرمِ عمل ہیں۔ ان کے اخراجات اور آئندہ کے منصوبے، مسجد احرار ملتان، مدرسہ معمورہ کے بڑھتے ہوئے کام کے پیشِ نظر زمین کی خرید اور تعمیرِ نو، دفاتر کا قیام، بیرونی ممالک میں مُبلّغین کی تعیناتی اور اداروں کا قیام، پچاس کتابوں کی اشاعت — یہ تمام کام اُمّتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے تعاون سے ہوگا۔ یہ کام آپ ہی نے کرنا ہے۔

تعاون آپ کریں دُعاء ہم کرینگے اور اجر اللہ پاک دینگے — آئیے، آگے بڑھئے اور اجر کمائیے۔

سیّد عطاء المحسن بخاری مدیر مدارس التحفیظ والمساجد
دارِ بنی ہاشم ○ پولیس لائنز روڈ ○ ملتان
ترسیل زر کے لئے: اکاؤنٹ نمبر: ۲۹۹۳۲ حبیب بنک لمیٹڈ حسین آگاہی ملتان